يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

کہ یہ رسالہ جس کا نام ہے

ضرورۃ الامام

اور صرف ڈیڑھ دن میں تیار ہوا

واسطے رفاہِ عام ناظرین منصفین کے

پتہ

مطبع احمدی صدر بازار کیمپ میرٹھ باہتمام

شیخ عبد الرشید طبع شد

یہ کتاب بجواب ہر فرقہ کے مسلمان کو ضرور خریدنا اور دیکھنا چاہیئے اس کی اس وقت بہت

ضرورت ہے سلیس اردو میں بڑے دلائل قویہ سے ضرورۃ الامام کو ثابت کیا ہے یقین ہے کہ جو شخص دیکھیگا بہت محظوظ ہوگا۔

ضرورة الامام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد واضح ہو۔ کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں۔ سو بموجب اس نبوی وصیّت کے ضروری ہوا۔ کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے۔

یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ ہر ایک شخص جس کو کوئی خواب سچّی آوے۔ یا الہام کا دروازہ اس پر کھلا ہو۔ وہ اس نام سے موسوم ہو سکتا ہے۔ بلکہ امام کی حقیقت کوئی اور جامع اور حالتِ کاملہ تامّہ ہے۔ جس کی وجہ سے آسمان پر اس کا نام امام ہے؟ اور یہ تو ظاہر ہے۔ کہ صرف تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے کوئی شخص امام نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ و اجعلنا للمتقین اماماً۔ پس اگر ہر ایک متقی امام ہے۔ تو پھر تمام متقی امام ہی ہوئے۔ اور یہ امر منشاء آیت کے خلاف ہے۔ اور ایسا ہی بموجب نص قرآن کریم کے ہر ایک ملہم اور صاحب رؤیا صادقہ امام نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں عام مومنین کیلئے بشارت ہے

کہ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی اسود بن عامر انا ابوبکر عن عاصم عن ابی صالح عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ صفحہ ۹۶ جلد ۴ مسند احمد واخرجہ احمد و الترمذی وابن خزیمۃ وابن حبان وصححہ من حدیث

الحارث الاشعری سے بلفظ من مات ولیس علیہ امام جماعۃ فان موتہ موتۃ جاھلیۃ ورواہ الحاکم من حدیث ابن عمر و من حدیث معاویۃ ورواہ البزار من حدیث ابن عباس البشری فی الحیات الدنیا۔ یعنی دنیا کی زندگی میں مومنین کو یہ نعمت ملے گی۔ کہ اکثر سچی خوابیں انہیں آیا کریں گی۔ یا سچے الہام ان کو ہوا کریں گے۔ پھر قرآن شریف میں ایک دوسرے مقام میں ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا۔ یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور پھر استقامت اختیار کرتے ہیں۔ فرشتے ان کو بشارت کے الہامات سُناتے رہتے ہیں۔ اور ان کو تسلی دیتے رہتے ہیں جیسا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ماں کو بذریعہ الہام تسلی دی گئی لیکن قرآن ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اس قسم کے الہامات یا خوابیں عام مومنوں کے لئے ایک روحانی نعمت ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں۔ یا عورت ہوں۔ اور ان الہامات کے پانی سے وہ لوگ امامِ وقت سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔ اور اکثر یہ الہامات ان کے ذاتیات کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور علوم کا اضافہ ان کے ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی عظیم الشان تحدی کے لائق ہوتے ہیں۔ اور بہت سے بھروسہ کے قابل نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض وقت ٹھوکر کھانے کا موجب ہوجاتے ہیں۔ اور جب تک امام کی دستگیری افاضہ علوم نہ کرے۔ تب تک ہرگز ہرگز خطرات سے امن نہیں ہوتا۔ اس امر کی شہادت صدر اسلام میں ہی موجود ہے۔ کیونکہ ایک شخص جو قرآن شریف کا کاتب تھا۔ اس کو بسا اوقات نور نبوت کے قرب کی وجہ سے قرآنی آیت کا اس وقت میں الہام ہوجاتا تھا۔ جبکہ امام یعنی نبی علیہ السلام وہ آیت لکھوانا چاہتے تھے۔ ایک دن اس نے خیال کیا۔ کہ مجھ میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا فرق ہے۔ مجھے بھی الہام ہوتا ہے اس خیال سے وہ ہلاک کیا گیا۔ اور لکھا ہے۔ کہ قبر نے بھی اس کو باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ بلعم ہلاک کیا گیا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی الہام ہوتا تھا۔ انھوں نے

اپنے تئیں کچھ چیز نہ سمجھا۔ اور امامت حقہ جو آسمان سے خدا نے زمین پر قائم کی تھی اس کا شریک بنانا نہ چاہا۔ بلکہ ادنےٰ چاکر اور غلام اپنے تئیں قرار دیا۔ اس لئے خدا کے فضل نے ان کو نائب امامت حقہ بنا دیا۔ اور اویس قرنی کو بھی الہام ہوتا تھا۔ اس نے ایسی مسکینی اختیار کی۔ کہ آفتاب نبوت اور امامت کے سامنے آنا بھی سوء ادب خیال کیا۔ سیدنا حضرت مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم بارہا یمن کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اجد ریح الرحمٰن من قبل الیمن یعنے مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ اُویس میں خدا کا نور اترا ہے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ امامت حقہ کی ضرورت کو نہیں سمجھتے۔ اور ایک سچی خواب آنے سے یا چند الہامی فقروں سے خیال کر لیتے ہیں کہ ہمیں امام الزمان کی حاجت نہیں۔ کیا ہم کچھ کم ہیں۔ اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ ایسا خیال سراسر معصیت ہے۔ کیونکہ جبکہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امام الزمان کی ضرورت ہر ایک صدی کے لئے قائم کی ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے۔ کہ جو شخص اس حالت میں خدا تعالےٰ کی طرف آئے گا۔ کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کیا۔ وہ اندھا آئے گا۔ اور جاہلیت کی موت پر مرے گا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی ملہم یا خواب بین کا استثنا نہیں کیا جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی ملہم ہو یا خواب بین ہو۔ اگر وہ امام الزمان کے سلسلہ میں داخل نہیں ہے۔ تو اس کا خاتمہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ اس حدیث کے مخاطب تمام مومن اور مسلمان ہیں۔ اور ان میں ہر ایک زمانہ میں ہزارہا خواب بین اور ملہم بھی ہوتے آئے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ امت محمدیہ میں کئی کروڑ ایسے بندے ہونگے۔ جن کو الہام ہوتا ہوگا۔ پھر ماسوا اس کے حدیث اور قرآن سے یہ ثابت ہے۔ کہ امام الزمان کے نور کا ہی پرتوہ ہوتا ہے۔ جو مستعد دلوں پر پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب دُنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے۔ تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں۔ اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہوجاتی ہے

انتشار روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے۔ اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے۔ اس کے تدبر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے۔ اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو۔ اس کو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے۔ اسکو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار روحانیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ اور یہ ایک عام قانون اور سنت الٰہی ہے۔ جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا۔ اور ذاتی تجارب نے اس کا مشاہدہ کرایا ہے۔ مگر مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے بھی بڑھکر ایک خصوصیت ہے۔ اور وہ یہ کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے۔ کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہوگا۔ کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا۔ اور نابالغ بچے نبوت کرینگے۔ اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے۔ اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پرتوہ ہوگا جیساکہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے۔ تو دیوار منور ہو جاتی ہے۔ اور اگر چونہ اور قلعی سے سفید کی گئی ہو۔ تو پھر تو اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ اور اگر اس میں آئینے نصب کئے گئے ہوں۔ تو ان کی روشنی اس قدر بڑھتی ہے۔ کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی۔ مگر دیوار دعوٰی نہیں کر سکتی۔ کہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر مجھ میں ہے۔ کیونکہ سورج کے غروب ہونیکے بعد پھر اس روشنی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی قسمت کا پھیر نہ ہو۔ اور خدا کی طرف سے کوئی ابتلاء نہ ہو۔ تو سعید انسان جلد اس دقیقہ کو سمجھ سکتا ہے۔ اور خدانخواستہ اگر کوئی اس الٰہی انوار کو نہ سمجھے۔ اور امام الزمان کے ظہور کی خبر سُنکر اس سے تعلق نہ پکڑے۔ تو پھر اول ایسا شخص امام سے استغنا ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر استغنا سے اجنبیت پیدا ہوتی ہے اور پھر اجنبیت سے سوء ظن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر سوء ظن سے عداوت

پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر عداوت سے نعوذ باللہ سلب ایمان تک پہونچتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ہزاروں راہب ملہم اور اہل کشف تھے اور نبی آخر الزمان کے قرب ظہور کی بشارت سنایا کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے امام الزمان کو جو خاتم الانبیاء تھے۔ قبول نہ کیا۔ تو خدا کے غضب کے صاعقہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کے تعلقات خدا تعالے سے بکلی ٹوٹ گئے۔ اور جو کچھ انکے بارے میں قرآن شریف میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہی ہیں۔ جن کے حق میں قرآن شریف میں فرمایا گیا۔ وکانوا یستفتحون من قبل۔ اس آیت کے یہی معنے ہیں۔ کہ یہ لوگ خدا تعالے سے نصرت دین کے لئے مدد مانگا کرتے تھے۔ اور ان کو الہام اور کشف ہوتا تھا اگرچہ وہ یہودی جنھوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ خدا تعالے کی نظر سے گر گئے تھے۔ لیکن جب عیسائی مذہب بوجہ مخلوق پرستی کے مر گیا۔ اور اس میں حقیقت اور نورانیت نہ رہی۔ تو اس وقت کے یہود اس گناہ سے بری ہو گئے۔ کہ وہ عیسائی کیوں نہیں ہوتے۔ تب ان میں دوبارہ نورانیت پیدا ہوئی۔ اور اکثر ان میں سے صاحب الہام اور صاحب کشف پیدا ہونے لگے۔ اور ان کے راہبوں میں اچھے اچھے حالات کے لوگ تھے۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کا الہام پاتے تھے۔ کہ نبی آخر زمان اور امام دوران جلد پیدا ہو گا۔ اور اسی وجہ سے بعض ربانی علماء خدا تعالے سے الہام پا کر ملک عرب میں آ رہے تھے۔ اور ان کے بچہ بچہ کو خبر تھی۔ کہ عنقریب آسمان سے ایک نیا سلسلہ قائم کیا جائیگا۔ یہ ہی معنے اس آیت کے ہیں۔ کہ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔ یعنے اس نبی کو وہ ایسی صفائی سے پہچانتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے بچوں کو۔ مگر جبکہ وہ نبی موعود اس پر خدا کا سلام ظاہر ہو گیا۔ تب خود بینی اور تعصب نے اکثر راہبوں کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے دل سیاہ ہو گئے۔ مگر بعض سعادت مند مسلمان ہو گئے۔ اور ان کا اسلام اچھا ہوا۔ پس یہ ڈرنے کا مقام ہے۔ اور سخت ڈرنے کا مقام ہے۔ خدا تعالے کسی مومن کو بلعم کی طرح بد عاقبت نہ کرے۔ الٰہی تو اس امت کو فتنوں سے بچا۔ اور یہودیوں کی نظیریں ان سے دور رکھ آمین۔ ثم آمین۔

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جس طرح خدا تعالےٰ نے قبائل اور قومیں اس غرض سے بنائیں۔ کہ تا اس جسمانی تمدن کا ایک نظام قائم ہو۔ اور بعض کے بعض سے رشتے اور تعلقات ہو کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون ہو جاویں۔ اسی غرض سے اس نے سلسلہ نبوت اور امامت قائم کیا ہے۔ کہ تا امت محمدیہ میں روحانی تعلقات پیدا ہو جائیں اور بعض بعض کے شفیع ہوں۔

اب ایک ضروری سوال یہ ہے۔ کہ امام الزمان کس کو کہتے ہیں۔ اور اس کی علامات کیا ہیں؟ اور اس کو دوسرے ملہموں اور خواب بینوں اور اہل کشف پر ترجیح کیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ امام الزمان اس شخص کا نام ہے۔ کہ جس شخص کی روحانی تربیت کا خدا تعالےٰ متولی ہو کر اس کی فطرت میں ایک ایسی امامت کی روشنی رکھدیتا ہے۔ کہ وہ سارے جہان کی معقولیوں اور فلسفیوں سے ہر ایک رنگ میں مباحثہ کر کے ان کو مغلوب کر لیتا ہے۔ وہ ہر ایک قسم کے دقیق در دقیق اعتراضات کا خدا سے قوت پا کر ایسی عمدگی سے جواب دیتا ہے۔ کہ آخر ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس کی فطرت دنیا کی اصلاح کا پورا سامان لے کر اس مسافر خانہ میں آئی ہے۔ اس لئے اس کو کسی دشمن کے سامنے شرمندہ ہونا نہیں پڑتا۔ وہ روحانی طور پر محمدی فوجوں کا سپہ سالار ہوتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے ہاتھ پر دین کی دوبارہ فتح کرے۔ اور وہ تمام لوگ جو اس کے جھنڈے کے نیچے آتے ہیں۔ ان کو بھی اعلیٰ درجہ کے قوٰے بخشے جاتے ہیں۔ اور وہ تمام شرائط جو اصلاح کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اور وہ تمام علوم جو اعتراضات کے اٹھانے اور اسلامی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اور باایں ہمہ چونکہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ کہ اس کو دنیا کے بےادبوں اور بدزبانوں سے بھی مقابلہ پڑے گا۔ اس لئے اخلاقی قوت بھی اعلےٰ درجہ کی اس کو عطا کی جاتی ہے۔ اور بنی نوع کی سچی ہمدردی اس کے دل میں ہوتی ہے۔ اور اخلاقی قوت سے یہ مراد نہیں۔ کہ ہر جگہ وہ خواہ نخواہ نرمی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تو اخلاقی حکمت کے اصول کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ جس طرح تنگ ظرف آدمی دشمن اور بےادب

کی باتوں سے جل کر اور کباب ہو کر جلد مزاج میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں۔ اور ان کے چہرہ پر اس عذاب الیم کے جس کا نام غضب ہے۔ نہایت مکروہ طور پر آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور طیش اور اشتعال کی باتیں بے اختیار اور بے محل ان کے مونہہ سے نکلتی چلی جاتی ہیں۔ یہ حالت اہلِ اخلاق میں نہیں ہوتی۔ ہاں وقت اور محل کی مصلحت سے کبھی معالجہ کے طور پر سخت لفظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس استعمال کے وقت ان کا دل جلتا ہے۔ نہ طیش کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ نہ منہ پر جھاگ آتی ہے۔ ہاں کبھی بناوٹی غصہ رعب دکھلانے کے لئے ظاہر کر دیتے ہیں اور دل آرام اور انبساط اور سرور میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگرچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں۔

جیسا کہ سؤر۔ کتے۔ بے ایمان۔ بدکار۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ نعوذ باللہ آپ اخلاقِ فاضلہ سے بے بہرہ تھے۔ کیونکہ وہ تو خود اخلاق سکھلاتے اور نرمی کی تاکید کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لفظ جو اکثر آپ کے منہ پر جاری رہتے تھے۔ یہ غصّہ کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے۔ بلکہ نہایت آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کئے جاتے تھے۔ غرض اخلاقی حالت میں کمال رکھنا اماموں کے لئے لازمی ہے۔ اور اگر کوئی سخت لفظ سوختہ مزاجی اور مجنونانہ طیش سے نہ ہو۔ اور عین محل پر چسپاں اور عند الضرورت ہو۔ تو وہ اخلاقی حالت کے منافی نہیں ہے۔ اور یہ بات بیان کر دینے کے لائق ہے۔ کہ جن کو خدا تعالےٰ کا ہاتھ امام بناتا ہے۔ ان کی فطرت میں ہی امامت کی قوت رکھی جاتی ہے۔ اور جس طرح الٰہی فطرت نے بموجب آیت کریمہ اعطی کل شی خلقہ ہر ایک چرند اور پرند میں پہلے سے وہ قوت رکھدی ہے۔ جس کے بارے میں خدا تعالےٰ کے علم میں یہ تھا۔ کہ اس قوت سے اس کا کام لینا پڑے گا اسی طرح ان نفوس میں جن کی نسبت خدا تعالےٰ کے ازلی علم میں یہ ہے۔ کہ ان سے امامت کا کام لیا جاوے گا منصب امامت کے مناسب حال کئی روحانی ملکے پہلے سے رکھے جاتے ہیں۔ اور جن لیاقتوں کی آئندہ ضرورت پڑے گی۔ ان تمام لیاقتوں کا بیج ان کی پاک سرشت میں بویا جاتا ہے۔ اور میں دیکھتا

ہوں۔ کہ اماموں میں بنی نوع کے فائدے اور فیض رسانی کے لئے مندرجہ ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے ؂

اوّل قوت اخلاق۔ چونکہ اماموں کو طرح طرح کے اوباشوں اور سفلوں اور بدزبان لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے ان میں اعلےٰ درجہ کی اخلاقی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ تا ان میں طیش نفس اور مجنونانہ جوش پیدا نہ ہو۔ اور لوگ ان کے فیض سے محروم نہ رہیں۔ یہ نہایت قابل شرم بات ہے۔ کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرہ بھی متحمل نہ ہو سکے۔ اور جو امام زمان کہلا کر ایسی کچی طبیعت کا آدمی ہو۔ کہ ادنےٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے۔ آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں۔ وہ کسی طرح امام زمان نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس پر آیت انک لعلےٰ خُلقٍ عظیماً کا پورے طور پر صادق آجانا ضروری ہے ؂

دوم۔ قوت امامت ہے جس کی وجہ سے اس کا نام امام رکھا گیا ہے۔ یعنی نیک باتوں اور نیک اعمال اور تمام الٰہی معارف اور محبتِ الٰہی میں آگے بڑھنے کا شوق یعنی رُوح اس کی کسی نقصان کو پسند نہ کرے۔ اور کسی حالت ناقصہ پر راضی نہ ہو۔ اور اس بات سے اس کو درد پہونچے۔ اور دُکھ میں پڑے۔ کہ وہ ترقی سے روکا جاوے۔ یہ ایک فطرتی قوت ہے۔ جو امام میں ہوتی ہے۔ اور اگر یہ اتفاق بھی پیش آوے۔ کہ لوگ اس کے علوم اور معارف کی پیروی کریں۔ اور اس کے نور کے پیچھے چلیں تب بھی وہ بہ لحاظ اپنی فطرتی قوت کے امام ہے۔ غرض یہ دقیقہ معرفت یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ امامت ایک قوت ہے۔ کہ اس شخص کے جوہر فطرت میں رکھی جاتی ہے۔ کہ جو اس کام کے لئے ارادہ الٰہی میں ہوتا ہے۔ اور اگر امامت کے لفظ کا ترجمہ کریں۔ تو یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ **قوت پیشروی** غرض یہ کوئی عارضی منصب نہیں جو پیچھے سے لگ جاتا ہے۔ جس طرح دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ آگے بڑھنے اور الٰہی امور میں سب سے اول درجہ پر رہنے کی قوت ہے۔ اور انہی معنوں کی طرف امامت کا لفظ اشارہ کرتا ہے ؂

تیسری قوت:۔ بسطت فی العلم ہے۔ جو امامت کے لئے ضروری ہے۔ اور اس کا خاصہ لازمی ہے۔ چونکہ امامت کا مفہوم تمام حقائق اور معارف اور لوازم محبت اور صدق اور وفا میں آگے بڑھنے کو چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنے تمام دوسرے قوٰے کو اسی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ اور ربّ زدنی علماً کی دُعا میں ہر دم مشغول رہتا ہے۔ اور پہلے سے اس کے مدارک اور حواس ان امور کے لئے جوہر قابل ہوتے ہیں۔ اسی لئے خدا تعالےٰ کے فضل سے علوم الٰہیہ میں اس کو بسطت عنایت کی جاتی ہے۔ اور اس کے زمانہ میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہوتا۔ جو قرآنی معارف کے جاننے اور کمالات افاضہ اور اتمام حجت میں اس کے برابر ہو۔ اس کی رائے صائب دوسروں کے علوم کی تصحیح کرتی ہے۔ اور اگر دینی حقائق کے بیان میں کسی کی رائے اس کی رائے کے مخالف ہو۔ تو حق اس کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم حقہ کے جاننے میں نور فراست اس کی مدد کرتا ہے اور وہ نور ان چمکتی ہوئی شعاعوں کے ساتھ دوسروں کو نہیں دیا جاتا۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء۔ پس جس طرح مرغی انڈوں کو اپنے پروں کے نیچے لیکر انکو بچے بناتی ہے۔ اور پھر بچوں کو پروں کے نیچے رکھکر اپنے جوہر ان کے اندر پہونچا دیتی ہے اسی طرح یہ شخص اپنے علوم رُوحانیہ سے صحبت یابوں کو علمی رنگ سے رنگین کرتا رہتا ہے۔ اور یقین اور معرفت میں بڑھاتا جاتا ہے۔ مگر دوسرے ملہموں اور زاہدوں کے لئے اس قسم کی بسطت علمی ضروری نہیں۔ کیونکہ نوعِ انسان کی تربیت علمی ان کے سپرد نہیں کی جاتی۔ اور ایسے زاہدوں اور خواب بینوں میں اگرچہ نقصان علم اور جہالت باقی ہے۔ تو چنداں جائے اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ کسی کشتی کے ملّاح نہیں ہیں۔ بلکہ خود ملّاح کے محتاج ہیں۔ ہاں ان کو ان فضولیوں میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ہم اس رُوحانی ملّاح کی کچھ حاجت نہیں رکھتے۔ ہم خود ایسے اور ایسے ہیں۔ اور ان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ضرور ان کو حاجت ہے جیساکہ عورت کو مرد کی حاجت ہے۔ خدا نے ہر ایک کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص امامت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر وہ ایسا دعویٰ زبان پر لائے گا۔ تو وہ لوگوں سے اسی طرح اپنی ہنسی کرائے گا۔ جیساکہ ایک نادان ولی نے

بادشاہ کے روبرو ہنسی کرائی تھی۔ اور قصہ یوں ہے۔ کہ کسی شہر میں ایک زاہد تھا۔ جو نیک
بخت اور متقی تو تھا۔ مگر علم سے بے بہرہ تھا۔ اور بادشاہ کو اس پر اعتقاد تھا۔ اور وزیر
بوجہ اس کی بے علمی کے اس کا معتقد نہیں تھا۔ ایک مرتبہ وزیر اور بادشاہ دونوں اس
کے ملنے کے لئے گئے۔ اور اس نے محض فضولی کی راہ سے اسلامی تاریخ میں دخل دیکر بادشاہ
کو کہا کہ اسکندر رومی بھی اس امت میں بڑا بادشاہ گذرا ہے۔ تب وزیر کو نکتہ چینی کا موقعہ
ملا۔ اور فی الفور کہنے لگا۔ کہ دیکھئے حضور فقیر صاحب کو علاوہ کمالات ولایت کے تاریخ
دانی میں بھی بہت کچھ دخل ہے۔ سو امام الزمان کو مخالفوں اور عام سائلوں کے مقابل
پر اس قدر الہام کی ضرورت نہیں جس قدر علمی قوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ شریعت پر ہر ایک
قسم کے اعتراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ طبابت کے رو سے بھی ہیئت کے رو سے بھی طبعی
کے رو سے بھی جغرافیہ کے رو سے بھی اور کتب مسلمہ اسلام کے رو سے بھی اور عقلی بنا پر بھی
اور نقلی بنا پر بھی اور امام الزمان حامی بیضہ اسلام کہلاتا ہے۔ اور اس باغ کا خدا تعالےٰ کی طرف سے
باغبان ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اس پر فرض ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک اعتراض کو دور کرے
اور ہر ایک معترض کا منہ بند کر دے۔ اور صرف یہ نہیں۔ بلکہ یہ بھی اس کا فرض ہوتا ہے
کہ نہ صرف اعتراضات دور کرے۔ بلکہ اسلام کی خوبی اور خوبصورتی بھی دنیا پر ظاہر کردے
پس ایسا شخص نہایت قابل تعظیم اور کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے وجود سے
اسلام کی زندگی ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ اسلام کا فخر اور تمام بندوں پر خدا تعالےٰ کی
حجت ہوتا ہے۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا۔ کہ اس سے جدائی اختیار کرے۔ کیونکہ
وہ خدا تعالےٰ کے ارادہ اور اذن سے اسلام کی عزت کا مربی اور تمام مسلمانوں کا
ہمدرد اور کمالات دینیہ پر دائرہ کی طرح محیط ہوتا ہے۔ ہر ایک اسلام اور کفر کی کشتی گاہ میں
وہی کام آتا ہے۔ اور اسی کے انفاس طیبہ کفر کش ہوتے ہیں۔ وہ بطور کل کے اور باقی سب
اس کے جزو ہوتے ہیں ؎

او چو کل و تو چو جزئی نے کلی ٭ تو ہلاک استی گر از وے بگسلی

چوتھی قوت عزم ہے۔ جو امام الزمان کے لئے ضروری ہے۔ اور عزم سے مراد یہ ہے۔

کہ کسی حالت میں نہ تھکنا اور نہ نومید ہونا اور نہ ارادہ میں سُست ہو جانا۔ بسا اوقات نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو جو امام الزمان ہوتے ہیں۔ ایسے ابتلا پیش آجاتے ہیں۔ کہ وہ بظاہر ایسے مصائب میں پھنس جاتے ہیں۔ کہ گویا خدا تعالے نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور بسا اوقات ان کی وحی اور الہام میں فترت واقع ہو جاتی ہے۔ کہ ایک مدت تک کچھ وحی نہیں ہوتی۔ اور بسا اوقات ان کی بعض پیشگوئیاں ابتلا کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور عوام پر ان کا صدق نہیں کھلتا۔ اور بسا اوقات ان کے مقصود کے حصول میں بہت کچھ توقف پڑجاتا ہے۔ اور بسا اوقات وہ دنیا میں متروک اور مخذول اور ملعون اور مردود کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص جو ان کو گالی دیتا ہے۔ تو خیال کرتا ہے۔ کہ گویا میں بڑا ثواب کا کام کر رہا ہوں۔ اور ہر ایک ان سے نفرت کرتا اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور نہیں چاہتا۔ کہ سلام کا جواب بھی دے۔ لیکن ایسے وقتوں میں ان کا عزم آزمایا جاتا ہے۔ وہ ہرگز ان آزمائشوں سے بیدل نہیں ہوتے اور نہ اپنے کام میں سُست ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ نصرت الٰہی کا وقت آجاتا ہے۔

پانچویں قوت اقبال علی اللہ ہے۔ جو امام الزمان کے لئے ضروری ہے۔ اور اقبال علی اللہ سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ لوگ مصیبتوں اور ابتلاؤں کے وقت اور نیز اس وقت کہ جب سخت دشمن سے مقابلہ آپڑے۔ اور کسی نشان کا مطالبہ ہو۔ اور یا کسی فتح کی ضرورت ہو۔ اور یا کسی کی ہمدردی واجبات سے ہو۔ خدا تعالے کی طرف جھکتے ہیں۔ اور پھر ایسے جھکتے ہیں۔ کہ ان کے صدق اور اخلاص اور محبت اور وفا اور عزم لاینفک سے بھری ہوئی دعاؤں سے ملاء اعلے میں ایک شور پڑجاتا ہے۔ اور ان کی محویت کے تضرعات سے آسمانوں میں ایک دردناک غلغلہ پیدا ہو کر ملائک میں اضطراب ڈالتا ہے۔ پھر جس طرح شدت کی گرمی کی انتہا کے بعد برسات کی ابتدا میں آسمان پر بادل نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح ان کے اقبال علی اللہ کی حرارت یعنی خدا تعالے کی طرف سخت توجہ کی گرمی آسمان پر کچھ بنانا شروع کر دیتی ہے۔ اور تقدیریں بدلتی رہتی ہیں۔ اور الٰہی ارادے اور رنگ پکڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ قضا و قدر کی ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح

تپ کا مادہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر مسہل کی دوا بھی خدا تعالےٰ کے حکم سے ہی اس مادہ کو باہر نکالتی ہے۔ ایسا ہی مردانِ خدا کے اقبال علی اللہ کی تاثیر ہوتی ہے

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست ✽ فانی است و دستِ او دستِ خداست

اور امام الزمان کا اقبال علی اللہ یعنی اس کی توجہ الی اللہ تمام اولیاء اللہ کی نسبت زیادہ تر تیز اور سریع الاثر ہوتی ہے۔ جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام اپنے وقت کے امام الزمان تھے۔ اور بلعم اپنے وقت کا ولی تھا جس کو خدا تعالےٰ سے مکالمہ اور مخاطبہ نصیب تھا۔ اور نیز مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب موسےٰ سے بلعم کا مقابلہ آپڑا۔ تو وہ مقابلہ اس طرح بلعم کو ہلاک کر گیا۔ کہ جس طرح ایک تیز تلوار ایک دم میں سر کو بدن سے جُدا کر دیتی ہے۔ اور بدبخت بلعم کو چونکہ اس فلاسفی کی خبر نہ تھی۔ کہ گو خدا تعالےٰ کسی سے مکالمہ کرے۔ اور اس کو اپنا پیارا اور برگزیدہ ٹھہراوے۔ مگر وہ جو فضل کے پانی میں اس سے بڑھکر ہے جب اس شخص سے اس کا مقابلہ ہوگا۔ تو بے شک یہ ہلاک ہوجائے گا۔ اور اس وقت کوئی الہام کام نہیں دے گا۔ اور نہ مستجاب الدعوات ہونا کچھ مدد دیگا۔ اور یہ تو ایک بلعم تھا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اسی طرح ہزاروں بلعم ہلاک ہوئے جیسا کہ یہودیوں کے راہب عیسائی دین کے مرنے کے بعد اکثر ایسے ہی تھے۔

چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے۔ جو امام الزمان کے لئے ضروری ہوتا ہے امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالےٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اور اس کے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلےٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھکر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں۔ اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں۔ اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں۔ اور اعلےٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض جو لوگ امام الزمان ہوں ان کے کشوف اور الہام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتے۔ بلکہ نصرت دین اور تقویت ایمان کے لئے جو نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ ان سے نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے۔ اور ان کی دُعا کا جواب

دیتا ہے۔ اور بسا اوقات سوال اور جواب کا ایک سلسلہ منعقد ہو کر ایک ہی وقت میں سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب اور پھر سوال کے بعد جواب ایسے صفا اور لذیذ اور فصیح الہام کے پیرایہ میں شروع ہوتا ہے۔ کہ صاحب الہام خیال کرتا ہے۔ کہ گویا وہ خداتعالے کو دیکھ رہا ہے۔ اور امام الزمان کا ایسا الہام نہیں ہوتا کہ جیسے ایک کلوخ انداز درپردہ ایک کلوخ پھینک جائے اور بھاگ جائے۔ اور معلوم نہ ہو۔ کہ وہ کون تھا۔ اور کہاں گیا۔ بلکہ خداتعالے ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ اور کسی قدر پردہ اپنے پاک اور روشن چہرہ سے جو نور محض ہے۔ اتار دیتا ہے۔ اور یہ کیفیت دوسروں کو میسر نہیں آتی۔ بلکہ وہ تو بسا اوقات اپنے تئیں ایسا پاتے ہیں۔ کہ گویا ان سے کوئی ٹھٹھا کر رہا ہے۔ اور امام الزمان کی الہامی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتی ہیں یعنے غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ چابک سوار گھوڑے کو قبضہ میں کرتا ہے۔ اور یہ قوت اور انکشاف اسی لئے ان کے الہام کو دیا جاتا ہے۔ کہ تا ان کے پاک الہام شیطانی الہامات سے مشتبہ ں۔ اور تا دوسروں پر حجت ہو سکیں ؛

واضح ہو۔ کہ شیطانی الہامات ہونا حق ہے۔ اور بعض ناتمام سالک لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ اور حدیث النفس بھی ہوتی ہے جس کو اضغاث احلام کہتے ہیں۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے۔ وہ قرآن شریف کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے بیان سے شیطانی الہام ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ جب تک انسان کا تزکیہ نفس پورے اور کامل طور پر نہ ہو تب تک اس کو شیطانی الہام ہو سکتا ہے۔ اور وہ آیت علیٰ کل افاک اثیم کے نیچے آسکتا ہے۔ مگر پاکوں کو شیطانی وسوسہ پر بلا توقف مطلع کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ بعض پادری صاحبان نے اپنی تصنیفات میں حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت اس واقعہ کی تفسیر میں کہ جب ان کو ایک پہاڑی پر شیطان لے گیا۔ اس قدر جرأت کی ہے۔ کہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ کوئی خارجی بات نہ تھی جس کو دنیا دیکھتی۔ اور جس کو یہودی بھی مشاہدہ کرتے۔ بلکہ یہ تین مرتبہ شیطانی الہام حضرت مسیح کو ہوا تھا۔ جس کو انہوں نے قبول نہ کیا۔ مگر انجیل کی ایسی تفسیر سننے سے ہمارا بدن کانپتا ہے۔ کہ

مسیح اور پھر شیطانی الہام۔ ہاں اگر اس شیطانی گفتگو کو شیطانی الہام نہ مانیں اور یہ خیال کریں کہ درحقیقت شیطان نے مجسم ہو کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ملاقات کی تھی۔ تو یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر شیطان نے جو پرانا سانپ ہے۔ فی الحقیقت اپنے تئیں جسمانی صورت میں ظاہر کیا تھا۔ اور وجود خارجی کے ساتھ آدمی بن کر یہودیوں کے ایسے متبرک معبد کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ جس کے اردگرد صدہا آدمی رہتے تھے۔ تو ضرور تھا۔ کہ اس کے دیکھنے کے لیئے ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے۔ بلکہ چاہیئے تھا۔ کہ حضرت مسیح آواز مار کر یہودیوں کو شیطان دکھلا دیتے۔ جس کے وجود کے کئی فرقے منکر تھے۔ اور شیطان کو دکھلا دینا حضرت مسیح کا ایک نشان ٹھہرتا۔ جس سے بہت آدمی ہدایت پاتے اور رومی سلطنت کے معزز عہدہ دار شیطان کو دیکھکر اور پھر اس کو پرواز کرتے ہوئے مشاہدہ کرکے ضرور حضرت مسیح کے پیرو ہو جاتے۔ مگر ایسا نہ ہؤا۔ اس سے یقین ہوتا ہے۔ کہ یہ کوئی روحانی مکالمہ تھا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں شیطانی الہام کہہ سکتے ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ یہودیوں کی کتابوں میں بہت سے شریر انسانوں کا نام بھی شیطان رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی محاورہ کے لحاظ سے مسیح نے بھی ایک اپنے بزرگ حواری کو جس کو انجیل میں اس واقعہ کی تحریر سے چند سطر ہی پہلے بہشت کی کنجیاں دی گئی تھیں۔ شیطان کہا ہے۔ پس یہ بات بھی قرین قیاس ہے۔ کہ کوئی یہودی شیطان ٹھٹھے اور ہنسی کے طور پر حضرت مسیح کے پاس آیا ہوگا۔ اور آپ نے جیسا کہ پطرس کا نام شیطان رکھا۔ اس کو بھی شیطان کہدیا ہوگا۔ اور یہودیوں میں اس قسم کی شرارتیں بھی تھیں۔ اور ایسے سوال کرنا یہودیوں کا خاصہ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے۔ کہ یہ سب قصہ ہی جھوٹ ہو۔ جو عمدًا یا دھوکہ کھانے سے لکھ دیا ہو۔ کیونکہ یہ انجیلیں حضرت مسیح کی انجیلیں نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی تصدیق شدہ ہیں۔ بلکہ حواریوں نے یا کسی اور نے اپنے خیال اور عقل کے موافق لکھا ہے۔ اسی وجہ سے ان میں باہمی اختلاف بھی ہے۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان خیالات میں لکھنے والوں سے غلطی ہو گئی۔ جیسا کہ یہ غلطی ہوئی۔ کہ انجیل نویسوں میں سے بعض نے یہ گمان کیا۔ کہ گویا حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے ہیں۔ ایسی غلطیاں حواریوں

کی سرشت میں تھیں - کیونکہ انجیل ہمیں خبر دیتی ہے - کہ ان کی عقل باریک نہ تھی - ان کے حالات ناقصہ کی خود حضرت مسیح گواہی دیتے ہیں - کہ وہ فہم اور درایت اور علمی قوت میں بھی کمزور تھے - بہرحال یہ سچ ہے - کہ پاکوں کے دل میں شیطانی خیال مستحکم نہیں ہو سکتا - اور اگر کوئی تیرتا ہوا سرسری وسوسہ ان کے دل کے نزدیک آ بھی جائے - تو جلد تر وہ شیطانی خیال دور اور دفع کیا جاتا ہے - اور ان کے پاک دامن پر کوئی داغ نہیں لگتا - قرآن شریف میں اس قسم کے وسوسہ کو جو ایک کم رنگ ناپختہ خیال سے مشابہ ہوتا ہے - طائف کے نام سے موسوم کیا ہے - اور لغت عرب میں اس کا نام طائف اور طوف اور طیّف اور طیف بھی ہے - اور اس وسوسہ کا دل سے نہایت ہی کم تعلق ہوتا ہے - گویا نہیں ہوتا - یا یوں کہو - کہ جیسا کہ دور سے کسی درخت کا سایہ بہت ہی خفیف سا پڑتا ہے - ایسا ہی یہ وسوسہ ہوتا ہے - اور ممکن ہے - کہ شیطان لعین نے حضرت مسیح کے دل میں اسی قسم کے خفیف وسوسہ کے ڈالنے کا ارادہ کیا ہو اور انہوں نے قوت نبوت سے اس وسوسہ کو دفع کر دیا ہو - اور ہمیں یہ کہنا اس مجبوری سے پڑا ہے کہ یہ قصہ انجیلوں میں ہی نہیں ہے - بلکہ ہماری احادیث صحیحہ میں ہے - چنانچہ لکھا ہے عن محمد بن عمران الصیرفی قال حدثنا الحسن بن علیل العنزی عن العباس بن عبد الواحد - عن محمد بن عمرو - عن محمد بن مناذر - عن سفیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابی ھریرہ قال جاء الشیطان الی عیسٰی - قال الست تزعم انک صادق قال بلیٰ قال فاوف علی ھٰذہ الشاھقۃ فالق نفسک منھا فقال ویلک الم یقل اللہ یا ابن آدم لاتبلنی بھلاکک فانی افعل ما اشاء - یعنی محمد بن عمران صیرفی سے روایت ہے - اور انہوں نے حسن بن علیل عنزی سے روایت کی - اور حسن نے عباس سے اور عباس نے محمد بن عمرو سے اور محمد بن عمرو نے محمد بن مناذر سے اور محمد بن مناذر نے

عیسائیوں کی بہت سی انجیلوں میں سے ایک انجیل اب تک ان کے پاس وہ بھی ہے - جس میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے - یہ بیان صحیح ہے - کیونکہ مرہم عیسیٰ اس کی تصدیق کرتی ہے - جس کا ذکر صدہا طبیبوں نے کیا ہے - منہ

سفیان بن عیینہ سے اور سفیان نے عمرو بن دینار سے اور عمرو بن دینار نے طاؤس سے اور طاؤس نے ابی ہریرہ سے کہا۔ شیطان عیسٰے کے پاس آیا اور کہا۔ کہ کیا تو گمان نہیں کرتا کہ تو سچا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ کیوں نہیں۔ شیطان نے کہا۔ کہ اگر یہ سچ ہے۔ تو اس پہاڑ پر چڑھ جاؤ اور پھر اس پر سے اپنے تئیں نیچے گرا دے۔ حضرت عیسٰے نے کہا۔ کہ تجھ پر واویلا ہو۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ خدا نے فرمایا ہے۔ کہ اپنی موت کے ساتھ میرا امتحان نہ کر کہ میں جو چاہتا ہوں۔ کرتا ہوں۔ اب ظاہر ہے۔ کہ شیطان ایسی طرز سے آیا ہوگا۔ جیسا کہ جبرائیل پیغمبروں کے پاس آتا ہے۔ کیونکہ جبرائیل ایسا تو نہیں آتا۔ جیسا کہ انسان کسی گاڑی میں بیٹھکر یا کسی کرایہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اور پگڑی باندھکر اور چادر اوڑھکر آتا ہے۔ بلکہ اس کا آنا عالم ثانی کے رنگ میں ہوتا ہے۔ پھر شیطان جو کمتر اور ذلیل تر ہے۔ کیونکر انسانی طور پر کھلے کھلے آسکتا ہے۔ اس تحقیق سے بہرحال اس بات کو ماننا پڑتا ہے۔ جو ڈریپر نے بیان کی ہے۔ لیکن یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے قوت نبوت اور نور حقیقت کے ساتھ شیطانی القا کو ہرگز ہرگز نزدیک آنے نہیں دیا۔ اور اس کے ذب اور دفع میں فوراً مشغول ہو گئے۔ اور جس طرح نور کے مقابل پر ظلمت ٹھہر نہیں سکتی۔ اسی طرح شیطان ان کے مقابل پر ٹھہر نہیں سکا اور بھاگ گیا۔ یہی ان عبادی لیس لک علیھم سلطان کے صحیح معنے ہیں کیونکہ شیطان کا سلطان یعنی تسلط درحقیقت ان پر ہے۔ جو شیطانی وسوسہ اور الہام کو قبول کر لیتے ہیں لیکن جو لوگ دور سے نور کے تیر سے شیطان کو مجروح کرتے ہیں۔ اور اس کے منہ پر زجر اور توبیخ کا جوتہ مارتے ہیں۔ اور اپنے منہ سے جو کچھ بکے جائے۔ اس کی پیروی نہیں کرتے۔ وہ شیطانی تسلط سے مستثنٰے ہیں۔ مگر چونکہ ان کو خدا تعالےٰ ملکوت السموات والارض دکھانا چاہتا ہے۔ اور شیطان ملکوت الارض میں سے ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ وہ مخلوقات کے مشاہدہ کا دائرہ پورا کرنے کے لئے اس عجیب الخلقت وجود کا چہرہ دیکھ لیں۔ اور کلام سن لیں۔ جس کا نام شیطان ہے۔ اس سے ان کے دامن تنزہ اور عصمت کو کوئی داغ نہیں لگتا۔ حضرت مسیح سے شیطان نے اپنے قدیم طریقہ وسوسہ اندازی کے

طرز پر شرارت سے ایک درخواست کی تھی۔ سو ان کی طبیعت نے فی الفور اس کو ردّ کیا اور قبول نہ کیا۔ اس میں ان کی کوئی کسر شان نہیں۔ کیا بادشاہوں کے حضور میں کبھی بدمعاش کلام نہیں کرتے۔ سو ایسا ہی روحانی طور سے شیطان نے یسوع کے دل میں اپنا کلام ڈالا۔ یسوع نے اس شیطانی الہام کو قبول نہ کیا۔ بلکہ ردّ کیا۔ سو یہ تو قابل تعریف بات ہوئی۔ اس سے کوئی نکتہ چینی کرنا حماقت اور روحانی فلاسفی کی بےخبری ہے۔ لیکن جیسا کہ یسوع نے اپنے نور کے تازیانہ سے شیطانی خیال کو دفع کیا۔ اور اس کے الہام کی پلیدی فی الفور ظاہر کر دی۔ ہر ایک زاہد اور صوفی کا یہ کام نہیں۔ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیطانی الہام مجھے بھی ہؤا تھا۔ شیطان نے کہا۔ کہ اے عبدالقادر تیری عبادتیں قبول ہوئیں۔ اب جو کچھ دوسروں پر حرام ہے۔ تیرے پر حلال اور نماز سے بھی اب تجھے فراغت ہے۔ جو چاہے کر۔ تب میں نے کہا۔ کہ اے شیطان دور ہو۔ وہ باتیں میرے لئے کب روا ہو سکتی ہیں۔ جو نبی علیہ السلام پر روا نہیں ہوئیں۔ تب شیطان مع اپنے سنہری تخت کے میری آنکھوں کے سامنے سے گم ہو گیا۔ اب جبکہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ اور مرد فرد کو شیطانی الہام ہؤا۔ تو وہ دوسرے عامۃ الناس جنہوں نے ابھی اپنا سلوک بھی تمام نہیں کیا۔ وہ کیونکر اس سے بچ سکتے ہیں۔ اور ان کو وہ نورانی آنکھیں کہاں حاصل ہیں۔ تا سید عبدالقادر اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح شیطانی الہام کو شناخت کر لیں۔ یاد رہے۔ کہ وہ کاہن جو عرب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بکثرت تھے۔ ان لوگوں کو بکثرت شیطانی الہام ہوتے تھے۔ اور بعض وقت وہ پیشگوئیاں بھی الہام کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے۔ اور تعجب یہ کہ ان کی بعض پیشگوئیاں سچی بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسلامی کتابیں ان قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ پس جو شخص شیطانی الہام کا منکر ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کی تمام تعلیموں کا انکاری ہے۔ اور نبوت کے تمام سلسلہ کا منکر ہے۔ بائبل میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہؤا تھا اور انہوں نے الہام کے ذریعہ سے جو ایک سفید جن کا کرتب تھا۔ ایک بادشاہ کی فتح کی پیشگوئی کی۔ آخر وہ بادشاہ بڑی ذلت سے اسی لڑائی میں مارا گیا۔ اور بڑی شکست ہوئی۔ اور ایک

پیغمبر جس کو حضرت جبرائیل سے الہام ملا تھا۔ اس نے بھی خبر دی تھی۔ کہ بادشاہ مارا جائے گا۔ اور کتنے اس کا گوشت کھائیں گے۔ اور بڑی شکست ہوگی۔ سو یہ خبر سچی نکلی۔ مگر اُن چار سو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔

اس جگہ طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جبکہ اس کثرت سے شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں۔ تو پھر الہام سے امان اٹھتا ہے۔ اور کوئی الہام بھروسہ کے لائق نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ احتمال ہے۔ کہ شیطانی ہو۔ خاصکر جبکہ مسیح جیسے اولوالعزم نبی کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ تو پھر اس سے تو ملہموں کی کمر ٹوٹتی ہے۔ تو الہام کیا ایک بلا ہو جاتی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ بیدا ہونے کا کوئی محل نہیں دُنیا میں خدا تعالےٰ کا قانونِ قدرت ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ کہ ہر ایک عمدہ جوہر کے ساتھ مغشوش چیزیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھو ایک تو وہ موتی ہیں۔ جو دریا سے نکلتے ہیں۔ اور دوسرے وہ سستے موتی ہیں۔ جو لوگ آپ بنا کر بیچتے ہیں۔ اب اس خیال سے کہ دُنیا میں جھوٹے موتی بھی ہیں۔ سچے موتیوں کی خرید و فروخت بند نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ جوہری جن کو خدا تعالےٰ نے بصیرت دی ہے ایک ہی نظر سے پہچان جاتے ہیں۔ کہ یہ سچا اور یہ جھوٹا ہے۔ سو الہامی جواہرات کا جوہری امام الزمان ہوتا ہے۔ اس کی صحبت میں رہ کر انسان جلد اصل اور مصنوعی میں فرق کر سکتا ہے۔ اے صوفیو!! اور اس ہوسی کے گرفتار و۔ ذرہ ہوش سنبھال کر اس راہ میں قدم رکھو۔ اور خوب یاد رکھو کہ سچا الہام جو خالص خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل علامتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

(۱) وہ اس حالت میں ہوتا ہے۔ کہ جبکہ انسان کا دل آتش درد سے گداز ہوکر مصفّٰی پانی کی طرح خدا تعالےٰ کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرف حدیث کا اشارہ ہے کہ قرآن غم کی حالت میں نازل ہوا۔ لہٰذا تم بھی اس کو غمناک دل کے ساتھ پڑھو

(۲) سچا الہام اپنے ساتھ ایک لذت اور سرور کی خاصیت لاتا ہے۔ اور نامعلوم وجہ سے یقین بخشتا ہے۔ اور ایک فولادی میخ کی طرح دل کے اندر دھنس جاتا ہے

اور اس کی عبارت فصیح اور غلطی سے پاک ہوتی ہے۔

(۳) سچے الہام میں ایک شوکت اور بلندی ہوتی ہے۔ اور دل پر اس سے مضبوط ٹھوکر لگتی ہے۔ اور قوت اور رعبناک آواز کے ساتھ دل پر نازل ہوتا ہے مگر جھوٹے الہام میں چوروں اور مخنثوں اور عورتوں کی سی دھیمی آواز ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان چور اور مخنث اور عورت ہے۔

(۴) سچا الہام خدا تعالےٰ کی طاقتوں کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور ضرور ہے۔ کہ اس میں پیشگوئیاں بھی ہوں۔ اور وہ پوری بھی ہوجائیں ؛

(۵) سچا الہام انسان کو دن بدن نیک بناتا جاتا ہے۔ اور اندرونی کثافتیں اور غلاظتیں پاک کرتا ہے۔ اور اخلاقی حالتوں کو ترقی دیتا ہے۔

(۶) سچے الہام پر انسان کی تمام اندرونی قوتیں گواہ ہوجاتی ہیں۔ اور ہر ایک قوت پر ایک نئی اور پاک روشنی پڑتی ہے۔ اور انسان اپنے اندر ایک تبدیلی پاتا ہے۔ اور اس کی پہلی زندگی مرجاتی اور نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور وہ بنی نوع کی ایک عام ہمدردی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۷) سچا الہام ایک ہی آواز پر ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا کی آواز ایک سلسلہ رکھتی ہے۔ وہ نہایت ہی حلیم ہے۔ جس کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اس سے مکالمت کرتا ہے۔ اور سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اور ایک ہی مکان اور ایک ہی وقت میں انسان اپنے معروضات کا جواب پاسکتا ہے۔ گو اس مکالمہ پر کبھی فترت کا زمانہ بھی آجاتا ہے ؛

(۸) سچے الہام کا انسان کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ اور کسی مدعی الہام کے مقابلہ سے اگرچہ وہ کیسا ہی مخالف ہو نہیں ڈرتا۔ جانتا ہے۔ کہ میرے ساتھ خدا ہے۔ اور وہ اس کو ذلت کے ساتھ شکست دے گا ؛

(۹) سچا الہام اکثر علوم اور معارف کے جاننے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے ملہم کو بے علم اور جاہل رکھنا نہیں چاہتا۔

(۱۰) سچے الہام کے ساتھ اور بھی بہت سی برکتیں ہوتی ہیں۔ اور کلیم اللہ کو غیب سے عزت دی جاتی ہے۔ اور رعب عطا کیا جاتا ہے۔

آج کل ایک ایسا ناقص زمانہ ہے۔ کہ اکثر فلسفی طبع اور نیچری اور برہمو اس الہام سے منکر ہیں۔ اسی انکار میں کئی اس دُنیا سے گذر بھی گئے۔ لیکن اصل امر یہ ہے کہ سچائی سچائی ہے۔ گو تمام جہان اس کا انکار کرے۔ اور جھوٹ جھوٹ ہے۔ گو تمام دنیا اس کی مصدق ہو۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کو مانتے اور اس کو مدبر عالم خیال کرتے ہیں۔ اور اس کو بصیر اور سمیع اور علیم جانتے ہیں۔ ان کی یہ حماقت ہے۔ کہ اس قدر اقراروں کے بعد پھر خدا تعالےٰ کے کلام سے منکر رہیں۔ کیا جو دیکھتا ہے۔ جانتا ہے اور بغیر ذریعہ جسمانی اسباب کے اس کا علم ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ وہ بول نہیں سکتا۔ اور یہ کہنا بھی غلطی ہے۔ کہ اس کی قوتِ گویائی پہلے تو تھی۔ اور اب بند ہو گئی۔ گویا اس کی صفت کلام آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ لیکن ایسا کہنا بڑی نومیدی دیتا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کی صفتیں بھی کسی زمانہ تک چل کر پھر مفقود ہو جاتی ہیں۔ اور کچھ بھی ان کا نشان باقی نہیں رہتا۔ تو پھر باقی ماندہ صفتوں میں بھی جاتے اندیشہ ہے۔ افسوس ایسی عقلوں اور ایسے اعتقادوں پر کہ جو خدا تعالےٰ کی تمام صفات مان کر پھر چھری ہاتھ میں لے بیٹھتے ہیں۔ اور اُن میں سے ایک ضروری حصہ کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔ افسوس کہ آریوں نے تو وید تک ہی خدا تعالےٰ کے کلام پر مُہر لگا دی تھی۔ مگر عیسائیوں نے بھی الہام کو بے مُہر رہنے نہ دیا۔ گویا حضرت مسیح تک ہی انسانوں کو ذاتی بصیرت اور معرفت حاصل کرنے کے لئے چشم دید الہاموں کی حاجت تھی۔ اور آیندہ ایسی بد قسمت ذریت ہے۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے محروم ہیں۔ حالانکہ انسان ہمیشہ چشم دید ماجرا اور ذاتی بصیرت کا محتاج ہے۔ مذہب اسی زمانہ تک علم کے رنگ میں رہ سکتا ہے۔ جب تک خدا تعالےٰ کی صفات ہمیشہ تازہ بتازہ تجلی فرماتی رہیں۔ ورنہ کہانیوں کی صورت میں ہو کر جلد مر جاتا ہے کیا ایسی ناکامی کو کوئی انسانی کانشنس قبول کر سکتا ہے۔ جبکہ ہم اپنے اندر اس بات

کا احساس پاتے ہیں۔ کہ ہم اس معرفت تامہ کے محتاج ہیں جو کسی طرح بغیر مکالمہ الٰہیہ اور بڑے بڑے نشانوں کے پوری نہیں ہو سکتی۔ تو کس طرح خدا تعالےٰ کی رحمت ہم پر الہامات کا دروازہ بند کر سکتی ہے۔ کیا اس زمانہ میں ہمارے دل اور ہو گئے ہیں۔ یا خدا اور ہو گیا ہے۔ یہ تو ہم نے مانا اور قبول کیا۔ کہ ایک زمانہ میں ایک کا الہام لاکھوں کی معرفت کو تازہ کر سکتا ہے۔ اور فرد فرد میں ہونا ضروری نہیں۔ لیکن یہ ہم قبول نہیں کر سکتے۔ کہ الہام کی سرے سے صف ہی الٹ دی جائے اور ہمارے ہاتھ میں صرف ایسے قصے ہوں۔ جن کو ہم نے بچشم خود دیکھا نہیں ظاہر ہے۔ کہ جبکہ ایک امر صدہا سال سے قصے کی صورت میں ہی چلا جائے۔ اور اس کی تصدیق کے لئے کوئی تازہ نمونہ پیدا نہ ہو۔ تو اکثر طبیعتیں جو فلسفی رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس قصے کو بغیر قوی دلیل کے قبول نہیں کر سکتیں۔ خاصکر جبکہ قصے ایسی باتوں پر دلالت کریں۔ کہ جو ہمارے زمانہ میں خلاف قیاس معلوم ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کچھ عرصہ کے بعد ہمیشہ فلسفی طبع آدمی ایسی کرامتوں پر ٹھٹھا کرتے آتے ہیں۔ اور شبہ کی حد تک بھی نہیں ٹھہرتے۔ اور یہ ان کا حق بھی ہونا ہے۔ کیونکہ ان کے دل میں گذرتا ہے۔ کہ جبکہ وہی خدا ہے۔ اور وہی صفات اور وہی ضرورتیں ہمیں پیش ہیں۔ تو پھر الہام کا سلسلہ کیوں بند ہے۔ حالانکہ تمام روحیں شور ڈال رہی ہیں۔ کہ ہم بھی تازہ معرفت کے محتاج ہیں۔ اسی وجہ سے ہندوؤں میں لاکھوں انسان دہریہ ہو گئے۔ کیونکہ بار بار پنڈتوں نے ان کو یہی تعلیم دی۔ کہ کروڑہا سال سے الہام اور کلام کا سلسلہ بند ہے۔ اب ان کو یہ شبہات دل میں گذرے۔ کہ وید کے زمانہ کی نسبت ہمارا زمانہ پرمیشر کے تازہ الہامات کا بہت محتاج تھا۔ پھر اگر الہام ایک حقیقت حقہ ہے۔ تو وید کے بعد اس کا سلسلہ کیوں قائم نہیں رہا۔ اسی وجہ سے آریہ ورت میں دہریت پھیل گئی۔ اسی لئے صدہا فرقے ہندوؤں میں ایسے پاؤ گے۔ جو وید سے ٹھٹھا کرتے اور اس سے انکاری ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک جین مت کا فرقہ ہے۔ اور

درحقیقت سکھوں کا فرقہ بھی ان ہی خیالات کی وجہ سے ہندوؤں سے الگ ہؤا ہے
کیونکہ ایک تو ہندو مذہب میں دُنیا کی صدہا چیزوں کو خدا کے ساتھ شریک کیا
گیا ہے۔ اور اس قدر شرک کا انبار ہے۔ جس میں پرمیشر کا کچھ پتہ نہیں ملتا
اور پھر جو وید کے الہامی ہونے کا دعوٰے ہے۔ یہ محض بلا ثبوت ایک قصہ ہے
جس کو لاکھوں برسوں کی طرف حوالہ دیا جاتا ہے۔ تازہ ثبوت کوئی نہیں۔ اسی
سبب سے جو پورے سکھ ہیں۔ وہ وید کو نہیں مانتے۔ چنانچہ اخبار عام لاہور ۲۶ ستمبر
۱۸۹۸ء میں ایک سکھ صاحب کا ایک مضمون اسی بارے میں شائع ہؤا ہے
انہوں نے اس بات کی تائید میں کہ خالصہ کا گروہ وید کو نہیں مانتا۔ اور ان
کو گوروؤں کی طرف سے ہدایت ہے۔ کہ وید کو ہرگز نہ مانیں۔ گرنتھ کے شبد
یعنی شعر بھی لکھے ہیں۔ جن کا ماحصل یہی ہے۔ کہ وید کو ہرگز نہ ماننا۔ اور اقرار کیا
ہے۔ کہ ہم لوگ وید کے ہرگز پیرو نہیں ہیں۔ اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں
اس نے قرآن شریف کی پیروی کا بھی اقرار نہیں کیا۔ مگر اس کا سبب یہ ہے
کہ سکھوں کو اسلام کی واقفیت نہیں ہے۔ اور وہ اس نور سے بے خبر ہیں۔
جو خدائے قادر قیوم نے اسلام میں رکھا ہؤا ہے۔ اور بباعث بے علمی اور تعصب کے
ان کو ان نوروں پر اطلاع بھی نہیں ہے کہ جو قرآن شریف میں بھرے پڑے
ہیں۔ بلکہ جس قدر قومی طور پر ہندوؤں سے ان کے تعلق ہیں مسلمانوں سے یہ
تعلقات نہیں ہیں۔ ورنہ ان کے لئے یہی کافی تھا۔ کہ اس وصیّت پر چلتے۔
کہ جو چولہ صاحب میں باوا نانک صاحب تحریر فرما گئے ہیں۔ کیونکہ چولہ صاحب
میں باوا صاحب یہ لکھ گئے ہیں۔ کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب صحیح اور سچّا
نہیں ہے۔ پس ایسے بزرگ کی اس ضروری وصیّت کو ضائع کر دینا نہایت قابل
افسوس بات ہے۔ خالصہ صاحبوں کے ہاتھ میں صرف ایک چولہ صاحب ہی ہے
جو باوا صاحب کے ہاتھوں کی یادگار ہے۔ اور گرنتھ کے شبد تو بہت پیچھے سے
اکٹھے کئے گئے ہیں جس میں محققوں کو بہت کچھ کلام ہے۔ خدا جانے اس میں

کیا کیا تصرفات ہوئے ہیں۔ اور کن کن لوگوں کے کلام کا ذخیرہ ہے۔ خیر یہ قصہ اس جگہ کے لائق نہیں ہے۔ ہمارا اصل مطلب تو یہ ہے۔ کہ بنی نوع انسان کا ایمان تازہ رکھنے کے لئے تازہ الہامات کی ہمیشہ ضرورت ہے۔ اور وہ الہامات ہمیشہ اقتداری قوت سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کسی شیطان جن بھوت میں اقتداری قوت نہیں ہے۔ اور امام الزمان کے الہام سے باقی الہامات کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ امام الزمان اپنی جبلّت میں قوت امامت رکھتا ہے اور دست قدرت نے اس کے اندر پیشروی کا خاصہ پھونکا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہ سنت اللہ ہے۔ کہ وہ انسانوں کو متفرق طور پر چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ جیسا کہ اس نے نظام شمسی میں بہت سے ستاروں کو داخل کر کے سورج کو اس نظام کی بادشاہی بخشی ہے۔ ایسا ہی وہ عام مومنوں کو ستاروں کی طرح حسب مراتب روشنی بخش کر امام الزمان کو ان کا سورج قرار دیتا ہے۔ اور یہ سنت الہی یہاں تک اس کی آفرینش میں پائی جاتی ہے۔ کہ شہد کی مکھیوں میں بھی یہ نظام موجود ہے کہ ان میں بھی ایک امام ہوتا ہے۔ جو یعسوب کہلاتا ہے۔ اور جسمانی سلطنت میں بھی خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو۔ اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے۔ جو تفرقہ پسند کرتے ہیں۔ اور ایک امیر کے تحت حکم نہیں چلتے۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اولی الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے۔ اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو۔ اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے۔ وہ ہم میں سے ہے اسی لئے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے۔ کہ وہ **انگریزوں کی بادشاہت** کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں۔ اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں کیونکہ وہ ہمارے دینی مقاصد کے حارج نہیں ہیں۔ بلکہ ہم کو ان کے وجود سے

بہت آرام ملا ہے۔ اور ہم خیانت کریں گے۔ اگر اس بات کا اقرار نہ کریں۔ کہ انگریزوں نے ہمارے دین کو ایک قسم کی وہ مدد دی ہے۔ کہ جو ہندوستان کے اسلامی بادشاہوں کو بھی میسّر نہیں آسکی۔ کیونکہ ہندوستان کے بعض اسلامی بادشاہوں نے اپنی کوتاہ ہمتی سے صوبہ پنجاب کو چھوڑ دیا تھا۔ اور ان کی اس غفلت سے سکھّوں کی متفرق حکومتوں کے وقت میں ہم پر اور ہمارے دین پر وہ مصیبتیں آئیں۔ کہ مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور بلند آواز سے اذان دینا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اور پنجاب میں دین اسلام مرچکا تھا۔ پھر انگریز آئے۔ اور انگریز کیا ہمارے نیک طالع پھر ہماری طرف واپس ہوئے۔ اور انہوں نے دینِ اسلام کی حمایت کی اور ہمارے مذہبی فرائض میں ہمیں پوری آزادی بخشی۔ اور ہماری مسجدیں واگذار کی گئیں۔ اور پھر مدت دراز کے بعد پنجاب میں شعار اسلام دکھائی دینے لگا۔ پس کیا یہ احسان یاد رکھنے کے لائق نہیں؟ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ بعض سُست ہمّت اسلامی بادشاہوں نے تو اپنی غفلتوں سے کفرستان میں ہمیں دھکّہ دیا تھا۔ اور انگریز ہاتھ پکڑ کر پھر ہمیں باہر نکال لائے۔ پس انگریزوں کے برخلاف بغاوت کی کھچڑی پکاتے رہنا خداتعالےٰ کی نعمتوں کو فراموش کرنا ہے۔

پھر اصل کلام کی طرف عود کر کے کہتا ہوں۔ کہ قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے۔ کہ ایک بادشاہ کے زیرِ حکم ہو کر چلیں۔ یہی تاکید روحانی تمدن کے لئے بھی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے، جو اللہ تعالےٰ یہ دعا سکھلاتا ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم پس سوچنا چاہیئے۔ کہ یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خداتعالےٰ کی نعمت سے خالی نہیں مگر نہیں کہہ سکتے۔ کہ ان کی پیروی کے لئے خداتعالےٰ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔ لہذا اس آیت کے معنے یہ ہیں۔ کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمت روحانی کی بارش ہوئی ہے۔ ان کی راہوں میں ہمیں توفیق بخش۔ کہ تا ہم ان کی پیروی کریں۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے۔ کہ تم

امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ۔

یاد رہے۔ کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی رسول محدث مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے۔ اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے۔ وہ گو ولی ہوں۔ یا ابدال ہوں۔ امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔

اب بالآخر یہ سوال باقی رہا۔ کہ اس زمانہ میں امام الزمان کون ہے جس کی پیروی تمام عام مسلمانوں اور زاہدوں اور خواب بینوں اور ملہموں کو کرنی خدا تعالےٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ کے فضل اور عنایت سے

امام الزمان میں ہوں

اور مجھ میں خدا تعالےٰ نے وہ تمام علامتیں اور تمام شرطیں جمع کی ہیں۔ اور اس صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرمایا ہے جس میں سے پندرہ برس بھی گذر گئے اور ایسے وقت میں مَیں ظاہر ہوا ہوں۔ کہ جبکہ اسلامی عقیدے اختلافات سے بھر گئے تھے۔ اور کوئی عقیدہ اختلاف سے خالی نہ تھا۔ ایسا ہی مسیح کے نزول کے بارے میں نہایت غلط خیال پھیل گئے تھے۔ اور اس عقیدے میں بھی اختلاف کا یہ حال تھا۔ کہ کوئی حضرت عیسےٰ کی حیات کا قائل تھا اور کوئی موت کا۔ اور کوئی جسمانی نزول مانتا تھا۔ اور کوئی بروزی نزول کا معتقد تھا۔ اور کوئی دمشق میں ان کو اتار رہا تھا۔ اور کوئی مکہ میں اور کوئی بیت المقدس میں اور کوئی اسلامی لشکر میں اور کوئی خیال کرتا تھا۔ کہ ہندوستان میں اتریں گے۔ پس یہ تمام مختلف رائیں اور مختلف قول ایک فیصلہ کرنے والے حکم کو چاہتے تھے۔ سو وہ حکم میں ہوں۔ میں روحانی طور پر کسر صلیب کے لئے اور نیز اختلافات کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ان ہی دونوں امروں نے تقاضا کیا۔ کہ میں بھیجا

جاؤں۔ میرے لئے ضروری نہیں تھا۔ کہ میں اپنی حقیقت کی کوئی دلیل پیش کروں۔ کیونکہ ضرورت خود دلیل ہے۔ لیکن پھر بھی میری تائید میں خدا تعالیٰ نے کئی نشان ظاہر کئے ہیں۔ اور میں جیسا کہ اور اختلافات میں فیصلہ کرنے کے لئے حَکم ہوں۔ ایسا ہی وفات حیات کے جھگڑے میں بھی حَکم ہوں۔ اور میں امام مالک اور ابن حزم اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں۔ اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں۔ سو میں بحیثیت حکم ہونے کے ان جھگڑا کرنے والوں میں یہ حکم صادر کرتا ہوں۔ کہ نزول اجمالی کے معنوں میں یہ گروہ اہل سنّت کا سچا ہے۔ کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا۔ ہاں نزول کی کیفیّت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ نزول صفت بروزی تھا نہ کہ حقیقی۔ اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہمکلام ان کے سچّے ہیں۔ کیونکہ بموجب نصّ صریح آیت کریمہ یعنی آیت فلمّا توفیتنی کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پانا ضروری تھا۔ یہ میری طرف سے بطور حکم کے فیصلہ ہے۔ اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اسکو قبول نہیں کرتا جسنے مجھے حکم مقرر فرمایا ہے اگر یہ سوال پیش ہو۔ کہ تمہارے حکم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جس زمانہ کے لئے حکم آنا چاہیئے تھا۔ وہ زمانہ موجود ہے۔ اور جس قوم کی صلیبی غلطیوں کی حکم نے اصلاح کرنی تھی۔ وہ قوم موجود ہے۔ اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دینی تھی۔ وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں۔ اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے۔ اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں؀

میں یہ نہیں کہتا۔ کہ پہلے نشانوں پر ہی ایمان لاؤ۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر میں حکم نہیں ہوں۔ تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں۔ اور سب بحثیں نکمی ہیں۔ صرف حکم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے۔ جس کو میں پورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں۔

(۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں۔ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(۲) میں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے:

(۳) میں کثرت قبولیت دُعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہُوں۔ کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں۔ اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے:

(۴) میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں۔ کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہ خداتعالےٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کی طرح پُوری ہوئیں:

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں ؛ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

مدّت ہوئی کسوف خسوف رمضان میں ہو گیا۔ حج بھی بند ہوا۔ اور بموجب حدیث کے طاعون بھی ملک میں پھیلی اور بہت سے نشان مجھ سے ظاہر ہوئے جن کے صدہا ہندو اور مسلمان گواہ ہیں جن کو میں نے ذکر نہیں کیا۔ ان تمام وجوہ سے میں امام الزمان ہوں۔ اور خدا میری تائید میں ہے۔ اور وہ میرے لئے ایک تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔ اور مجھے خبر دی گئی ہے۔ کہ جو شرارت سے میرے مقابل پر کھڑا ہو گا۔ وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائے گا۔ دیکھو میں نے وہ حکم پہونچا دیا۔ جو میرے ذمہ تھا اور یہ باتیں میں اپنی کتابوں میں کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ مگر جس واقعہ نے مجھے ان امور کے مکرر لکھنے کی تحریک کی۔ وہ میرے ایک دوست کی اجتہادی غلطی ہے جس پر اطلاع پانے سے میں نے ایک نہایت دردناک دل کے ساتھ اس رسالہ کو لکھا ہے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے۔ کہ ان دنوں میں یعنے ماہ ستمبر ۱۸۹۸ء میں جو مطابق جمادی الاول ۱۳۱۶ھ ہے۔ ایک میرے دوست جن کو میں ایک بے شر انسان اور نیک بخت اور متقی اور پرہیزگار جانتا ہُوں۔ اور انکی نسبت ابتدا سے میرا بہت نیک گمان ہے۔ واللہ حسیبہ

مگر بعض خیالات میں غلطی میں پڑا ہُوا سمجھتا ہوں۔ اور اس غلطی کے ضرر سے ان کی نسبت اندیشہ بھی رکھتا ہوں۔ وہ تکالیف سفر اُٹھا کر اور ایک اور میرے عزیز دوست کو ہمراہ لے کر قادیان میں میرے پاس پہونچے۔ اور بہت سے الہامات اپنے مجھکو سُنائے۔ پس اس سے مجھکو بہت خوشی ہوئی۔ کہ خدا تعالےٰ نے ان کو الہامات کا شرف بخشا ہے۔ مگر انہوں نے سلسلہ الہامات میں ایک یہ خواب بھی اپنی مجھے سنائی کہ میں نے آپ کی نسبت کہا ہے۔ کہ میں ان کی کیوں بیعت کروں۔ بلکہ انہیں میری بیعت کرنی چاہیئے۔ اس خواب سے معلوم ہُوا۔ کہ وہ مجھے مسیح موعود نہیں ملتے اور نیز یہ کہ وہ مسئلہ امامت حقہ سے بے خبر ہیں۔ لہذا میری ہمدردی نے تقاضا کیا۔ کہ تا میں ان کے لئے امامتِ حقّہ کے بیان میں یہ رسالہ لکھوں۔ اور بیعت کی حقیقت تحریر کروں۔ سو میں امام حق کے بارے میں جس کو بیعت لینے کا حق ہے اس رسالے میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ رہی حقیقت بیعت کی سو وُہ یہ ہے۔ کہ بیعت کا لفظ بیع سے مشتق ہے۔ اور بیع اس باہمی رضامندی کے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں ایک چیز دوسری چیز کے عوض میں دی جاتی ہے۔ سو بیعت سے یہ غرض ہے۔ کہ بیعت کرنے والا اپنے نفس کو مع اس کے تمام لوازم کے ایک رہبر کے ہاتھ میں اس غرض سے بیچے۔ کہ تا اس کے عوض میں وہ معارف حقہ اور اور برکاتِ کاملہ حاصل کرے۔ جو موجب معرفت اور نجات اور رضامندی باریتعالیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ بیعت سے صرف توبہ منظور نہیں کیونکہ ایسی توبہ تو انسان بطور خود بھی کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ معارف اور برکات اور نشان مقصود ہیں جو حقیقی توبہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ بیعت سے اصل مدعا یہ ہے۔ کہ اپنے نفس کو اپنے رہبر کی غلامی میں دے کر وُہ علوم اور معارف اور برکات اس کے عوض میں لیوے۔ جن سے ایمان قوی ہو۔ اور معرفت بڑھے۔ اور خدا تعالےٰ سے صاف تعلق پیدا ہو۔ اور اسی طرح دنیوی جہنم سے رہا ہو کر آخرت کے دوزخ سے مخلصی نصیب ہو۔ اور دنیوی نابینائی سے شفا پاکر آخرت کی نابینائی سے

بھی امن حاصل ہو۔ سو اگر اس بیعت کے ثمرہ دینے کا کوئی مرد ہو۔ تو سخت بدذاتی ہوگی۔ کہ کوئی شخص دانستہ اس سے اعراض کرے۔ عزیز من! ہم تو معارف اور حقائق آسمانی برکات کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ اور ایک سمندر بھی پی کر سیر نہیں ہو سکتے۔ پس اگر ہمیں کوئی اپنی غلامی میں لینا چاہے۔ تو یہ بہت سہل طریق ہے۔ کہ بیعت کے مفہوم اور اسکی اصل فلاسفی کو ذہن میں رکھ کر یہ خرید و فروخت ہم سے کرے۔ اور اگر اس کے پاس ایسے حقائق اور معارف اور آسمانی برکات ہوں۔ جو ہمیں نہیں دیئے گئے۔ اور یا اس پر وہ قرآنی علوم کھولے گئے ہوں جو ہم پر نہیں کھولے گئے۔ تو بسم اللہ وہ بزرگ ہماری غلامی اور اطاعت کا ہاتھ لیوے۔ اور وہ رُوحانی معارف اور قرآنی حقائق اور آسمانی برکات ہمیں عطا کرے۔ میں تو زیادہ تکلیف دینا ہی نہیں چاہتا۔ ہمارے ملہم دوست کسی ایک جلسہ میں سورۂ اخلاص کے ہی حقائق معارف بیان فرما دیں۔ جس سے ہزار درجہ بڑھکر ہم بیان نہ کرسکیں۔ تو ہم ان کے مطیع ہیں۔

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار   ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

بہر حال اگر آپ کے پاس وہ حقائق اور معارف اور برکات ہیں جو معجزانہ اثر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ تو پھر میں کیا میری تمام جماعت آپ کی بیعت کریگی اور کوئی سخت بدذات ہوگا۔ جو ایسا نہ کرے۔ مگر میں کیا کہوں اور کیا لکھوں معافی مانگ کر کہتا ہوں۔ کہ جس وقت میں نے آپ کے الہامات لکھے ہوئے سُنے تھے۔ ان میں بھی بعض صرفی اور نحوی غلطیاں تھیں۔ آپ ناراض نہ ہوں میں نے محض نیک نیتی سے اور غربت سے دینی نصیحت کے طور پر یہ بھی بیان کر دیا ہے۔ بایں ہمہ میرے نزدیک اگر الہامات میں کسی ناواقف اور ناخواندہ کے الہامی فقروں میں نحوی اور صرفی غلطی ہو جاوے۔ تو نفس الہام قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے۔ اور بڑے بسط کو چاہتا ہے جس کا یہ محل نہیں ہے۔ اگر ایسی غلطیاں سُنکر کوئی خشک مُلّا جوش میں آجاوے۔ تو وہ

بھی معذور ہے۔ کیونکہ رُوحانی فلاسفی کے کوچہ میں اس کو دخل نہیں۔ لیکن یہ ادنےٰ درجہ کا الہام کہلاتا ہے۔ جو خدا تعالے کے نور کی پوری تجلی سے رنگ پذیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ الہام تین طبقوں کا ہوتا ہے۔ ادنےٰ اور اوسط اور اعلےٰ۔ بہرحال ان غلطیوں سے مجھے سخت شرمندہ ہونا پڑا۔ اور میں اپنے دل میں دعا کرتا تھا۔ کہ میرے معزز دوست کسی شریر خشک مُلّا کو یہ الہامات جو بظاہر قابلِ اعتراض ہیں۔ نہ سنا دیں۔ کہ وُہ خواہ نخواہ ٹھٹھا اور ہنسی کریگا۔ جو الہام حقائق معارف سے خالی اور غلطیوں سے بھی پُر ہو کسی موافق یا مخالف کو فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ خاصکر اس زمانہ میں۔ بلکہ بجائے فائدہ کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ میں ایمان سے اور سچائی سے حلفاً کہتا ہُوں۔ کہ یہ بات سراسر سچ ہے۔ میرے عزیز دوست توجّہ٭ الی اللہ کی طرف زیادہ ترقی کریں۔ کہ جیسے جیسے دل کی صفائی بڑھے گی۔ ایسا ہی الہام میں فصاحت کی صفائی بڑھے گی۔ یہی بھید ہے کہ قرآن کی وحی تمام دوسرے نبیوں کی وحیوں سے علاوہ معارف کے فصاحت بلاغت میں بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ دل کی صفائی دی گئی تھی۔ سو وہ وحی معنوں کے رُو سے معارف کے رنگ میں اور الفاظ کے رُو سے بلاغت فصاحت کے رنگ میں ظاہر ہوئی۔ میرے دوست یہ بھی یاد رکھیں۔ کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ بیعت ایک خرید و فروخت کا معاملہ ہے۔ اور میں حلفاً کہتا ہُوں۔ کہ جس قدر ہمارے دوست فاضل مولوی عبد الکریم صاحب وعظ کے وقت قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرتے ہیں۔ مجھے ہرگز امید نہیں۔ کہ ان کا ہزارم حصہ بھی میرے عزیز دوست کے منہ سے نکلے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ الہامی طریق ابھی ناقص اور کسبی طریق بکلّی متروک۔ نہ معلوم کسی محقق سے قرآن سُننے کا بھی اب تک موقعہ ہُوا یا نہیں۔ آپ برائے خدا ناراض نہ ہوں۔ آپ نے اب تک بیعت کی حقیقت نہیں سمجھی۔ کہ اس میں کیا دیتے ہیں اور کیا لیتے ہیں۔ ہماری جماعت میں اور میرے بیعت کردہ بندگانِ خدا میں ایک مرد ہیں جو جلیل الشان فاضل ہیں۔ اور وُہ

٭ میرا یقین ہے۔ کہ اگر یہ معزز دوست زیادہ توجہ فرمائیں گے۔ تو جلد تر انکے الہامات میں ایک کامل رنگ پیدا ہو جائیگا منہ

٭ دیکھو صفحہ ۳۲

مولوی حکیم حافظ حاجی حرمین نورالدین صاحب ہیں۔ جو گویا تمام جہان کی تفسیریں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور ایسا ہی ان کے دل میں ہزارہا قرآنی معارف کا ذخیرہ ہے۔ اگر آپ کو فی الحقیقت بیعت لینے کی فضیلت دی گئی ہے۔ تو ایک قرآن کا سپارہ ان ہی کو معہ حقائق معارف کے پڑھا دیں۔ یہ لوگ دیوانے تو نہیں۔ کہ انہوں نے مجھ سے ہی بیعت کر لی۔ اور دوسرے ملہموں کو چھوڑ دیا۔ اگر آپ حضرات مولوی صاحب موصوف کی پیروی کرتے۔ تو آپ کے لئے بہتر ہوتا۔ آپ سوچیں کہ فاضل موصوف جو خانماں چھوڑ کر میرے پاس آ بیٹھے۔ اور کچے کوٹھوں میں تکلیف سے بسر کرتے ہیں۔ کیا وہ بغیر کسی بات کے دیکھنے کے دانستہ اس تکلیف کو گوارا کئے ہوئے ہیں؟ ہمارے عزیز اور دوست ملہم صاحب یاد رکھیں۔ کہ وہ ان خیالات میں سخت درجہ کی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ اپنی الہامی طاقت سے پہلے مولوی صاحب موصوف کو قرآن دانی کا نمونہ دکھلا دیں۔ اور اس خارق عادت کے چمکارے نوردین جیسے عاشقِ قرآن سے بیعت لیں۔ تو پھر میں اور میری تمام جماعت آپ پر قربان ہے۔ کیا چند ناشناختہ الہامی فقروں کے ساتھ کہ وہ بھی اکثر صحیح نہیں۔ یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ انسان اپنے تئیں امام الزمان خیال کرے۔ عزیز من! امام الزمان کے لئے بہت سی شرائط ہیں۔ تب ہی تو وہ ایک جہان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست ٭ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

میرے عزیز ملہم اس دھوکہ میں نہ رہیں۔ کہ فقرات الہامی اکثر ان پر وارد ہوتے ہیں

نوٹ ٭ ہم انکار نہیں کرتے کہ آپ پر لدنی علم کے چشمے کھل جائیں۔ مگر ابھی تو نہیں۔ خوابوں اور کشفوں پر استعارات اور مجازات غالب ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے اپنے خواب کو حقیقت پر حمل کر لیا۔ مجدد صاحب سرہندی نے ایک کشف میں دیکھا تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے طفیل خلیل اللہ کا مرتبہ ملا۔ اور اس سے بڑھکر شاہ ولی اللہ صاحب نے دیکھا تھا۔ کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ مگر انہوں نے بباعث بسطت علم کے وہ خیال نہ کیا جو آپ نے کیا۔ بلکہ تاویل کی۔ منہ

میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ میری جماعت میں اس قسم کے ملہم اس قدر ہیں۔ کہ بعض کے الہامات کی ایک کتاب بنتی ہے۔ سید امیر علی شاہ ہر ایک ہفتہ کے بعد الہامات کا ایک ورق بھیجتے ہیں۔ اور بعض عورتیں میری مصدق ہیں۔ جنہوں نے ایک حرف عربی کا نہیں پڑھا۔ اور عربی میں الہام ہوتا ہے۔ میں نہایت تعجب میں ہوں۔ کہ آپ کی نسبت ان کے الہامات میں غلطی کم ہوتی ہے۔ ۸ ستمبر ۱۸۹۸ء کو ان کے چند الہامات مجھکو بذریعہ خط ان کے برادر حقیقی فتح محمد بزدار کے ملے۔ ایسا ہی کئی ملہم ہماری جماعت میں موجود ہیں۔ ایک لاہور میں ہی تشریف رکھتے ہیں۔ مگر کیا ایسے الہامات سے کوئی شخص امام الزمان کی بیعت سے مستغنی ہوسکتا ہے۔ اور مجھے تو کسی کی بیعت سے عذر نہیں۔ مگر بیعت سے غرض افاضہ علوم روحانیہ اور تقویت ایمان ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ بیعت میں کونسے علوم سکھلائیں گے۔ اور کونسے قرآنی حقائق بیان فرمائیں گے آپ آئیے۔ اور امامت کا جوہر دکھلائیے۔ ہم سب بیعت کرتے ہیں۔

حضرت ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ ✿ پر کوئی مجھکو یہ سمجھائے کہ سمجھائینگے کیا

میں نقارہ کی آواز سے کہہ رہا ہوں۔ کہ جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ وہ سب بطور نشان امامت ہے۔ جو شخص اس نشان امامت کو دکھلائے۔ اور ثابت کرے۔ کہ وہ فضائل میں مجھ سے بڑھکر ہے۔ میں اس کو دست بیعت دینے کو تیار ہوں۔ مگر خدا کے وعدُں میں تبدیل نہیں۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ آج سے قریبًا بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے۔ الرحمٰن علم القرآن۔ لتنذر قومًا ما انذر آباءهم ولتستبین سبیل المجرمین۔ قل انی امرت وانا اول المؤمنین اس الہام کے رُو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اول المؤمنین رکھا۔ اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے۔ اور مجھے بار بار الہام دیا ہے۔ کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الٰہی اور کوئی محبت الٰہی تیری معرفت اور محبّت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں۔ جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا۔ عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا۔ اور اب حجۃ اللہ کے نیچے ہے۔ اے عزیز!

کوئی کام دُنیا کا ہو یا دین کا بغیر لیاقت کے نہیں ہو سکتا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک انگریز حاکم کے پاس ایک خاندانی شخص پیش کیا گیا۔ کہ اس کو تحصیلدار بنا دیا جائے۔ اور جس کو پیش کیا وہ محض جاہل تھا۔ اردو بھی نہیں آتی تھی۔ اس انگریز نے کہا۔ کہ اگر میں اسکو تحصیلدار بنا دوں۔ تو اس کی جگہ مقدمات کون فیصلہ کرے گا۔ میں اس کو بجز پانچ روپیہ کے مذکوری کے اور کوئی نوکری دے نہیں سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالے بھی فرماتا ہے اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔ کیا جس کے پاس ہزاروں دشمن دوست سوالات اور اعتراضات لے کر آتے ہیں۔ اور نیابت نبوت اس کے سپرد ہوتی ہے۔ اس کی یہی شان چاہیئے۔ کہ صرف چند الہامی فقرے اس کی بغل میں ہوں۔ اور وہ بھی بے ثبوت۔ کیا قوم اور مخالف قوم اس سے تسلّی پکڑ سکتے ہیں۔ اب میں اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر اس میں کوئی گراں لفظ ہو۔ تو ہر ایک صاحب اور

نیز اپنے دوست ملہم صاحب سے معافی مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں
نے سراسر نیک نیتی سے چند سطریں لکھی ہیں۔ اور
میں اس عزیز دوست سے بدل و جان محبت
رکھتا ہوں۔ اور دُعا کرتا ہوں۔ کہ
خدا ان کے ساتھ ہو۔ فقط

خاکسار میرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

مولوی عبدالکریم صاحب کا خط ایک دوست کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہٖ۔ امابعد

من عبدالکریم الی اخی وحبی نصراللہ خان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میرے دل میں پھر تحریک ہوئی ہے۔ کہ کچھ درد دل کی کہانی آپ کو سناؤں ممکن ہے۔ کہ آپ بھی میرے ہمدرد دین جائیں۔ اتنی مدت کے بعد یہ تحریک خالی از مصالح نہ ہوگی۔ محرک قلوب اپنے بندوں کو عبث کام کی ترغیب نہیں دیا کرتا۔

چودھری صاحب! میں بھی ابن آدم ہوں ضعیف عورت کے پیٹ سے نکلا ہوں ضرور ہے۔ انسانی کمزوری۔ تعلقات کی کششیں اور رقت مجھ میں بھی ہو۔ بطنِ عورت سے نکلا ہوا اگر ادعوارض اسے چمٹ نہ جائیں تو سنگدل نہیں ہوسکتا۔ میری ماں بڑی رقیق قلب والی بڑھیا وامّ المریض موجود ہے۔ میرا باپ بھی (اللّٰھم عافہ وو الہ ووفقہ للحسنی) میرے عزیز اور نہایت ہی عزیز بھائی بھی ہیں۔ اور اور تعلقات بھی ہیں۔ تو پھر کیا میں پتھر کا کلیجہ رکھتا ہوں۔ جو مہینوں گذر گئے۔ یہاں دھونی لگائے بیٹھا ہوں۔ یا کیا میں سودائی ہوں۔ اور میرے حواس میں خلل ہے یا کیا میں مقلد کور باطن اور علوم حقہ سے نابلد محض ہوں۔ یا کیا میں فاسقانہ زندگی بسر کرنے میں اپنے کنبہ اپنے محلہ اور اپنے شہر میں مشہور ہوں۔ یا کیا میں مفلس نادار پیٹ کی غرض سے نت نئے بہروپ بدلنے والا قلاش ہوں۔ یعلم اللہ والملٰئکۃ یشھدون کہ میں بحمداللہ ان سب معائب سے بری ہوں۔ ولا ازکی نفسی ولکن اللہ یزکی من یشاء۔

تو پھر کس بات نے مجھ میں ایسی استقامت پیدا کر رکھی ہے۔ جو ان سب تعلقات پر غالب آگئی ہے۔ بہت صاف بات اور ایک ہی لفظ میں ختم ہوجاتی ہے۔ اور وہ

٭ اس خط پر اتفاقاً میری نظر پڑی جس کو اخویم مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنے ایک دوست کی طرف لکھا تھا۔ سو میں نے ایک مناسبت کی وجہ سے جو اس رسالہ کے مضمون سے اس کو ہے چھاپ دیا۔ منہ

یہ ہے:- امام زمان کی شناخت۔

اللہ اللہ یہ کیا بات ہے۔ جس میں ایسی زبردست قدرت ہے۔ جو سارے ہی سلسلوں کو توڑ تاڑ دیتی ہے۔ آپ خود جانتے ہیں۔ میں بقدر استطاعت کے کتاب اللہ کے معارف و اسرار سے بہرہ مند ہوں۔ اور اپنے گھر میں کتاب اللہ کے پڑھنے اور پڑھانے کے سوا مجھے اور کوئی شغل نہیں ہوتا۔ پھر میں یہاں کیا سیکھتا ہوں۔ کیا وہ گھر میں پڑھنا اور ایک معتد بہ جماعت میں مشار الیہ اور مطمح انظار رہنا میری رُوح یا میرے نفس کے بہلانے کو کافی نہیں۔ ہرگز نہیں واللہ ثم باللہ ہرگز نہیں۔ میں قرآن کریم پڑھتا لوگوں کو سُناتا۔ جمعہ میں منبر پر کھڑا ہو کر بڑے پُر اثر اخلاقی وعظیں کرتا۔ اور لوگوں کو عذاب الہی سے ڈراتا اور نواہی سے بچنے کی تاکیدیں کرتا۔ مگر میرا نفس ہمیشہ مجھے اندر ملامتیں کرتا۔ کہ لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتنا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون۔ میں دوسروں کو رُلاتا پر خود نہ روتا۔ اوروں کو ناکردنی اور ناگفتنی امور سے ہٹاتا۔ پر خود نہ ہٹتا۔ چونکہ میں ریاکار اور خود غرض مکار نہ تھا۔ اور حقیقۃً حصول جاہ و دُنیا میرا قبلہ ہمت نہ تھا۔ میرے دل میں جب ذرا تنہا ہوتا ہجوم کر کے یہ خیالات آتے۔ مگر چونکہ اپنی اصلاح کے لئے کوئی راہ نظر نہ آتا اور ایمان ایسے جھوٹے خشک عملوں پر قانع ہونے کی اجازت بھی نہ دیتا۔ آخر ان کشاکشوں سے ضعف دل کے سخت مرض میں گرفتار ہو گیا۔ بارہا مصمم ارادہ کیا۔ کہ پڑھنا پڑھانا اور وعظ کرنا قطعاً چھوڑ دوں پھر پھر لپک لپک کر اخلاق کی کتابوں تصوّف کی کتابوں اور تفاسیر کو پڑھتا احیاء العلوم اور عوارف المعارف اور فتوحات مکّیہ ہر چہار جلد اور کثیر کتابیں اسی غرض سے پڑھیں اور بتوجہ پڑھیں۔ اور قرآن کریم تو میری رُوح کی غذا تھی۔ اور بحمد اللہ ہے۔ بچپن سے اور بالکل بے شعوری کے سن سے اس پاک بزرگ کتاب سے مجھے اس قدر اُنس ہے۔ کہ میں اس کا کم وکیف بیان نہیں کر سکتا غرض علم تو بڑھ گیا۔ اور مجلس کے خوش کرنے اور وعظ کو سجانے کے لئے لطائف

ظرائف بھی بہت حاصل ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ بہت سے بیمار میرے ہاتھوں
سے چنگے بھی ہو گئے۔ مگر مجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آخر بڑے جیص بیص
کے بعد مجھ پر کھولا گیا۔ کہ زندہ نمونہ یا اس زندگی کے چشمہ پر پہونچنے کے سوا جو اندرونی
آلائشوں کو دھو سکتا ہے یہ میل اترنے والی نہیں۔ ہادیٔ کامل خاتم الانبیاء صلوات
اللہ علیہ وسلامہ نے کس طرح صحابہ کو منازل سلوک ۲۳ برس میں طے کرائیں۔
قرآن علم تھا۔ اور آپ اسکا سچا عملی نمونہ تھے۔ قرآن کے احکام کی عظمت وجبروت
کو مجرد الفاظ اور عملی رنگ نے فوق العادۃ رنگ میں قلوب پر نہیں بٹھایا۔ بلکہ حضور
پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عملی نمونوں اور بے نظیر اخلاق اور دیگر تائیدات سماویہ
کی رفاقت اور پیاپے ظہور نے ایسا لازوال سکہ آپ کے خدام کے دلوں پر جمایا۔
خدا تعالےٰ کو چونکہ اسلام بہت پیارا ہے۔ اور اس کا ابد الدہر تک قائم رکھنا منظور
ہے۔ اس لئے اس نے پسند نہیں کیا۔ کہ یہ مذہب بھی دیگر مذاہب عالم کیطرح قصوں
اور فسانوں کے رنگ میں ہو کر تقویم پارینہ ہو جائے۔ اس پاک مذہب میں ہر
زمانہ میں زندہ نمونے موجود رہے ہیں جنھوں نے علمی اور عملی طور پر حامل قرآن
علیہ الصلوات الرحمن کا زمانہ لوگوں کو یاد دلایا۔ اسی سنت کے موافق ہمارے
زمانے میں خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود ایدہُ اللہ الودود کو ہم میں کھڑا کیا۔
کہ زمانہ پر وُہ ایک گواہ ہو جائے۔ میں نے جو کچھ اس خط میں لکھنا چاہتا تھا حضرت
اقدس امام صادق علیہ السلام کے وجود پاک کی ضرورت پر چند وجدانی دلائل تھے۔ اس اثناءمیں
بعض تحریکات کی وجہ سے خود حضرت اقدس نے ضرورت امام پر پرسوں ایک چھوٹا
سا رسالہ لکھ ڈالا ہے۔ جو عنقریب شائع ہوگا۔ ناچار میں نے اس ارادہ کو چھوڑ دیا
بالآخر میں اپنی تنگی سے بھری ہوئی صحبتوں کو آپ کے باقاعدہ حسن ارادت
کے ساتھ درس کتاب اللہ میں حاضر ہونے کو آپکے اپنی نسبت کمال حسن ظن کو اور ان
سب پر آپ کی نیکدل اور پاک تیاری کو آپ کو یاد دلاتا اور آپ کی ضمیر روشن
اور فطرت مستقیمہ کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں۔ کہ آپ سوچیں۔ وقت بہت نازک

ہے۔ جس زندہ ایمان کو قرآن چاہتا ہے۔ اور جیسی گناہ سوز آگ قرآن سینوں میں پیدا کرنی چاہتا ہے۔ وہ کہاں ہے۔ میں خدائے ربّ عرش عظیم کی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ وہی ایمان حضرت نائب الرسول مسیح موعود کے ہاتھ میں ہاتھ دینے اور اس کی پاک صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس کارِ خیر میں توقف کرنے سے مجھے خوف ہے۔ کہ دل میں کوئی خوفناک تبدیلی پیدا نہ ہو جائے دُنیا کا خوف چھوڑ دو۔ اور خدا کے لئے سب کچھ کھو دو۔ کہ یقیناً سب کچھ مل جائے گا: والسلام

یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء عاجز عبدالکریم از قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انکم ٹیکس اور تازہ نشان

صدق را ہر دم مدد آید ز ربّ العالمین	صادقاں را دست حق باشد نہاں در آستین
ہر بلا کز آسماں بر صادقے آید فرود	آخرش گردد نشانے از برائے طالبین

ہمارے بعض نادان دشمن ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں اپنے ناکام رہنے سے بہت مغموم اور کوفتہ خاطر تھے۔ کیونکہ ان کو ایک ایسے مقدمہ میں جس کا اثر اس راقم کی جان اور عزت پر تھا۔ باوجود بہت سی کوشش کے فاش شکست اٹھانی پڑی۔ اور نہ صرف شکست بلکہ اس مقدمہ کے متعلق وہ الہامی پیشگوئی بھی پوری ہوئی جس کی متعلق دو سو سے زیادہ ثقہ اور معزز لوگوں کو خبر دی گئی تھی۔ اور جس کو پبلک میں پیش از وقت بخوبی شائع کر دیا گیا تھا۔ مگر افسوس کہ ان مخالفوں کی بدظنی اور

شتاب کاری سے ایک دوسری شکست بھی ان کو نصیب ہوئی۔ اور وہ یہ کہ جبکہ ان دنوں میں سرسری طور پر بغیر کسی عدالت کی باضابطہ تحقیق کے اس راقم پر مبلغ ما معہ انکم ٹیکس مشخص ہو کر اس کا مطالبہ ہوا۔ تو یہ لوگ جن کے نام لکھنے کی حاجت نہیں۔ عقلمند خود ہی سمجھ جائینگے۔ اپنے دلوں میں بہت ہی خوش ہوئے۔ اور یہ خیال کیا۔ کہ اگر ہمارا پہلا نشانہ خطا گیا تھا۔ تو غنیمت ہے کہ اس مقدمہ میں اس کی تلافی ہوئی لیکن کبھی ممکن نہیں۔ کہ بداندیش اور نفسانی آدمی فتحیاب ہوسکیں۔ کیونکہ کوئی فتحیابی اپنے منصوبوں اور مکاریوں سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ایک ہے۔ جو انسانوں کے دلوں کو دیکھتا۔ اور ان کے اندرونی خیالوں کو جانچتا۔ اور ان کی نیات کے موافق آسمان پر سے حکم کرتا ہے۔ سو اس نے ان تیرہ خیالات لوگوں کی یہ مراد بھی پوری نہ ہونے دی۔ اور بعد تحقیقات کامل بتاریخ ۷ ستمبر ۱۸۹۸ء انکم ٹیکس معاف کیا گیا۔ اس مقدمہ کے یک دفعہ پیدا ہو جانے میں ایک یہ بھی حکمتِ الٰہی مخفی تھی۔ کہ تا خداتعالےٰ کی تائید میری جان اور آبرو اور مال کے متعلق یعنی تینوں طرح سے اور تینوں پہلوؤں سے ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جان اور آبرو کے متعلق تو ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں نصرتِ الٰہی بپایہ ثبوت پہونچ چکی تھی۔ مگر مال کے متعلق بھی تائید ہنوز مخفی تھی۔ سو خداتعالےٰ کے فضل اور عنایت نے ارادہ فرمایا۔ کہ پبلک کو مال کے متعلق بھی اپنی تائید دکھلاوے۔ سو اس نے یہ تائید بھی ظاہر فرما کر تینوں قسم کی تائیدات کا دائرہ پورا کر دیا۔ سو یہی بھید ہے۔ کہ یہ مقدمہ برپا کیا گیا۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر کلارک کا مقدمہ خداتعالےٰ کی طرف سے اس لئے برپا نہیں ہوا تھا۔ کہ مجھکو ہلاک یا ذلیل کیا جائے۔ بلکہ اس لئے برپا ہوا تھا۔ کہ اس قادر کریم کے نشان ظاہر ہوں۔ ایسا ہی اس میں بھی ہوا۔ اور جس طرح میرے خدا نے جان اور عزّت کے مقدمہ میں پہلے سے الہام کے ذریعہ سے یہ بشارت دی تھی۔ کہ آخر میں بریت ہوگی۔ اور دشمن شرمسار ہونگے۔ ایسا ہی اس نے اس مقدمہ میں

بھی پہلے سے خوشخبری دی۔ کہ انجام کار ہماری فتح ہوگی۔ اور حاسد بد باطن ناکام رہیں گے۔ چنانچہ وہ الہامی خوشخبری اخیر حکم کے نکلنے کے پہلے ہی ہماری جماعت میں خوب اشاعت پاچکی تھی۔ اور جیسا کہ ہماری جماعت نے جان اور آبرو کے مقدمہ میں ایک آسمانی نشان دیکھا تھا۔ اس میں بھی انہوں نے ایک آسمانی نشان دیکھ لیا۔ جو ان کے ایمان کی زیادت کا موجب ہؤا۔ فالحمد للہ علی ذالک ؛

مجھے بڑا تعجب ہے۔ کہ باوجودیکہ نشان پر نشان ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی مولویوں کو سچائی کے قبول کرنے کی طرف توجہ نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہر میدان میں خدا تعالے اُن کو شکست دیتا ہے۔ اور وہ بہت ہی چاہتے ہیں۔ کہ کسی قسم کی تائید الہی اُن کی نسبت بھی ثابت ہو۔ مگر بجائے تائید کے دن بدن ان کا خذلان اور ان کا نامراد ہونا ثابت ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً جن دنوں میں جنتریوں کے ذریعہ سے یہ مشہور ہؤا تھا۔ کہ حال کے رمضان میں سُورج اور چاند دونوں کو گرہن لگے گا۔ اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا تھا۔ کہ یہ امام موعود کے ظہور کا نشان ہے۔ تو اس وقت مولویوں کے دلوں میں یہ دھڑکا شروع ہوگیا تھا کہ مہدی اور مسیح ہونے کا مدعی تو یہی ایک شخص میدان میں کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ لوگ اس کی طرف جھک جائیں۔ تب اس نشان کے چھپانے کے لئے اول تو بعض نے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ اس رمضان میں ہرگز کسوف خسوف نہیں ہوگا بلکہ اس وقت ہوگا۔ کہ جب ان کے امام مہدی ظہور فرما ہوں گے۔ اور جب رمضان میں خسوف کسُوف ہوچکا۔ تو پھر یہ بہانہ پیش کیا۔ کہ یہ کسوف خسوف حدیث کے لفظوں سے مطابق نہیں۔ کیونکہ حدیث میں یہ ہے۔ کہ چاند کو گرہن اول رات میں لگے گا۔ اور سورج کو گرہن درمیان کی تاریخ میں لگے گا۔ حالانکہ اس کسوف خسوف میں چاند کو گرہن تیرھویں رات میں لگا۔ اور سورج کو گرہن اٹھائیس تاریخ کو لگا۔ اور جب ان کو سمجھایا گیا۔ کہ حدیث میں مہینے کی پہلی تاریخ مراد نہیں۔ اور پہلی تاریخ کے چاند کو قمر نہیں کہہ سکتے۔ اس کا نام تو ہلال ہے۔ اور حدیث میں قمر کا

لفظ ہے نہ ہلال کا لفظ۔ سو حدیث کے معنی یہ ہیں۔ کہ چاند کو اُس پہلی رات میں گرہن لگے گا۔ جو اس کی گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات ہے۔ یعنی مہینہ کی تیرھویں رات اور سورج کو درمیان کے دن گرہن لگے گا یعنے اٹھائیس تاریخ جو اس کے گرہن کے دنوں میں سے درمیانی دن ہے ؂ تب یہ نادان مولوی اس صحیح معنے کو سنکر بہت شرمندہ ہوئے۔ اور پھر بڑی جان کاہی سے یہ دوسرا عذر بنایا۔ کہ حدیث کے رجال میں سے ایک راوی اچھا آدمی نہیں ہے۔ تب ان کو کہا گیا۔ کہ جبکہ حدیث کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔ تو وہ جرح جس کی بناء شک پر ہے۔ اس یقینی واقعہ کے مقابل پر جو حدیث کی صحت پر ایک قوی دلیل ہے۔ کچھ چیز ہی نہیں۔ یعنی پیشگوئی کا پورا ہونا یہ گواہی دے رہا ہے۔ کہ یہ صادق کا کلام ہے۔ اور اب یہ کہنا کہ وہ صادق نہیں۔ بلکہ کاذب ہے بدیہیات کے انکار کے حکم میں ہے۔ اور ہمیشہ سے یہی اصول محدثین کا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا۔ پیشگوئی کا اپنے مفہوم کے مطابق ایک مدعی مہدویت کے زمانہ میں پوری ہو جانا اس بات پر یقینی گواہی ہے۔ کہ جس کے منہ سے یہ کلمات نکلے تھے۔ اس نے سچ بولا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اس کے چال چلن میں ہمیں کلام ہے۔ یہ ایک شکی امر ہے۔ اور کبھی کاذب بھی سچ بولتا ہے۔ ماسوا اس کے یہ پیشگوئی اور طرق سے بھی ثابت ہے۔ اور حنفیوں کے بعض اکابر نے بھی اس کو لکھا ہے۔ تو پھر انکار شرطِ انصاف نہیں ہے۔ بلکہ سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ اور اس دندان شکن جواب کے بعد انہیں یہ کہنا پڑا۔ کہ یہ حدیث تو صحیح ہے۔ اور اس سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ عنقریب امام موعود ظاہر ہو گا۔ مگر یہ شخص

؂ یہ قانونِ قدرت ہے۔ کہ چاند گرہن کے لئے مہینہ کی تین رات مقرر ہیں یعنی تیرھویں چودھویں پندرہویں اور ہمیشہ چاند گرہن ان تین راتوں میں سے کسی ایک میں لگتا ہے۔ پس اس حساب سے چاند گرہن کی پہلی رات تیرھویں رات ہے جس کی طرف حدیث کا اشارہ ہے۔ اور سورج گرہن کے دن مہینہ کی ستائیسویں اور اٹھائیسویں اور انتیسویں تاریخ ہے۔ پس اس حساب سے درمیانی دن سورج گرہن کا اٹھائیسواں ہے۔ اور انہی تاریخوں میں گرہن لگا؂ منہ

امام موعود نہیں ہے۔ بلکہ وہ اور ہوگا۔ جو بعد اس کے عنقریب ظاہر ہوگا۔ مگر یہ ان کا جواب بھی بودا اور باطل ثابت ہؤا۔ کیونکہ اگر کوئی اور امام ہوتا۔ تو جیسا کہ حدیث کا مفہوم ہے۔ وہ امام صدی کے سر پر آنا چاہیئے تھا۔ مگر صدی سے بھی پندرہ برس گذر گئے۔ اور کوئی امام ان کا ظاہر نہ ہؤا۔ اب ان لوگوں کی طرف سے آخری جواب یہ ہے۔ کہ یہ لوگ کافر ہیں۔ ان کی کتابیں مت دیکھو۔ ان سے ملاپ مت رکھو ان کی بات مت سنو۔ کہ ان کی باتیں دلوں میں اثر کرتی ہیں۔ لیکن کس قدر عبرت کی جگہ ہے۔ کہ آسمان بھی ان کے مخالف ہوگیا۔ اور زمین کی حالت موجودہ بھی مخالف ہوگئی۔ یہ کس قدر ان کی ذلّت ہے۔ کہ ایک طرف آسمان ان کے مخالف گواہی دے رہا ہے۔ اور ایک طرف زمین صلیبی غلبہ کی وجہ سے گواہی دے رہی ہے۔ آسمان کی گواہی دارقطنی وغیرہ کتابوں میں موجود ہے یعنی رمضان میں خسوف اور کسوف اور زمین کی گواہی صلیبی غلبہ ہے۔ جس کے غلبہ میں مسیح موعود کا آنا ضروری تھا۔ اور جیسا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے۔ یہ دونوں شہادتیں ہماری مؤیّد اور ان کی مکذب ہیں۔ پھر لیکھرام کی موت کا جو نشان ظاہر ہؤا۔ اس نے بھی ان کو کچھ کم شرمندہ نہیں کیا۔ ایسا ہی جہوتسو کا جلسہ یعنی قوموں کا مذہبی جلسہ جس میں ہمارا مضمون بطور نشان غالب رہا تھا۔ کچھ کم ندامت کا موجب نہیں ہؤا۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ہمارا مضمون غالب رہا۔ بلکہ یہ واقعہ پیش از وقت الہام ہوکر بذریعہ اشتہارات شائع کر دیا گیا کاش اگر آتھم ہی زندہ رہتا۔ تو میاں محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہم جنسوں کے ہاتھ میں جھوٹی تاویلوں کی کچھ گنجائش رہتی۔ مگر آتھم بھی جلد مر کر ان لوگوں کو برباد کر گیا۔ جب تک وہ چپ رہا۔ زندہ رہا۔ اور پھر منہ کھولتے ہی الہامی شرط نے اس کو لے لیا۔ خدا تعالےٰ نے الہامی شرط کے موافق اس کو عمر دی اور جبھی سے کہ اس نے تکذیب شروع کی۔ اسی وقت سے عوارض شدیدہ نے اس کو ایسا پکڑ لیا۔ کہ بہت جلد اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن چونکہ یہ ذلّت بعض نادان مولویوں کو محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اور شرطی پیشگوئی کو محض شرارت سے انھوں نے یوں دیکھا۔ کہ گویا

اس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی۔ اور آتھم کی سراسیمگی اور زبان بند زندگی سے جو پیشگوئی کے ایام میں بدیہی طور پر رہی۔ انہوں نے دیانت داری سے کوئی نتیجہ نہ نکالا۔ اور جو آتھم قسم کے لئے بلایا گیا۔ اور نالش کے لئے اُکسایا گیا۔ اور وہ انکار سے کانوں پر ہاتھ رکھتا رہا۔ ان تمام امور سے ان کو کوئی ہدایت نہ ہوئی۔ اس لئے خُدا نے جو اپنے نشانوں کو شُبہ میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ لیکھرام کی پیشگوئی کو جس کے ساتھ کوئی شرط نہ تھی۔ اور جس میں تاریخ اور دن اور صُورت موت یعنی کس طرح سے مرے گا۔ سب بیان کیا گیا تھا۔ اتمام حجت کے لئے کمال صفائی سے پورا کیا۔ مگر افسوس کہ سچائی کے مخالفوں نے اس کھلے کھلے خدا تعالےٰ کے نشان سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ ظاہر ہے۔ کہ اگر میں جھوٹا ہوتا۔ تو لیکھرام کی پیشگوئی میرے ذلیل کرنے کے لئے بڑا عمدہ موقعہ تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی۔ اور اس میں صاف طور پر پیشگوئی کے ساتھ ہی میں نے اپنا اقرار لکھکر شائع کر دیا تھا۔ کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ تو میں جھُوٹا ہوں۔ اور ہر ایک سزا اور ذلّت کا سزادار ہوں۔ سو اگر میں جھوٹا ہوتا۔ تو ایسے موقعہ پر جبکہ قسمیں کھا کر یہ پیشگوئی جو کوئی شرط نہیں رکھتی تھی شائع کی گئی تھی۔ ضرور تھا۔ کہ خدا تعالےٰ مجھکو رسوا کرتا۔ اور میرا اور میری جماعت کا نام و نشان مٹا دیتا۔ سو خدا نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ اس میں میری عزّت ظاہر کی۔ اور جن لوگوں نے نادانی سے آتھم کے متعلق کی پیشگوئی کو نہیں سمجھا تھا۔ ان کے دلوں میں بھی اس پیشگوئی سے روشنی ڈالی۔ کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں ہے۔ کہ ایسی پیشگوئی میں جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں تھی۔ اور جس کی خطا جانے سے میری تمام کشتی غرق ہوتی تھی۔ خدا نے کیوں میری تائید کی۔ اور کیوں اس کو پورا کرکے صدہا دلوں میں میری محبت ڈال دی۔ یہاں تک کہ بعض سخت دشمنوں نے روتے ہوئے آکر بیعت کی۔ اگر یہ پیشگوئی پوری نہ ہوتی۔ تو میاں بٹالوی صاحب خود سوچ لیں۔ کہ کس شد و مد سے وہ اشاعۃ السنہ میں تکذیب کے مضامین لکھتے۔ اور کیا کچھ ان کا اثر دنیا پر ہوتا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ خدا نے ایسے موقعہ پر کیوں بٹالوی اور ان کے ہمخیال لوگوں کو شرمندہ اور ذلیل کیا۔

کیا قرآن میں نہیں ہے۔ کہ خدا لکھ چکا ہے۔ کہ وہ مومنوں کو غالب کرتا ہے۔ کیا اگر یہ پیشگوئی جو ایک ذرہ بھی شرط اپنے ساتھ نہیں رکھتی تھی۔ اور ایک بھاری مخالف کے حق میں تھی۔ جو مجھ پر دانت پیستا تھا۔ جھوٹی نکلتی۔ تو کیا اس صاف فیصلہ کے بعد میرا کچھ باقی رہ جاتا؟ اور کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ اس پیشگوئی کے جھوٹے نکلنے پر شیخ محمد حسین بٹالوی کو ہزار عید کی خوشی ہوتی۔ اور وہ طرح طرح کے ٹھٹھے اور ہنسی کا اپنے کلام کو رنگ دے کر رسالہ نکالتا۔ اور کئی جلسے کرتا لیکن اب پیشگوئی کے سچے نکلنے پر اس نے کیا کیا۔ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ اس نے خدا کے ایک عظیم الشان کام کو ایک ردّی چیز کی طرح پھینک دیا۔ اور اپنے منحوس رسالہ میں یہ اشارہ کیا۔ کہ لیکھرام کا یہی شخص قاتل ہے۔ سو میں کہتا ہوں۔ کہ میں کسی انسانی حربہ کے ساتھ قاتل نہیں۔ ہاں آسمانی حربہ کے ساتھ یعنی دعا کے ساتھ قاتل ہوں۔ اور وہ بھی اس کے الحاح اور درخواست کے بعد۔ میں نے نہیں چاہا۔ کہ اس پر بد دعا کروں۔ مگر اس نے آپ چاہا۔ سو میں اس کا اسی طرح قاتل ہوں جس طرح کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خسرو پرویز شاہ ایران کے قاتل تھے۔ غرض لیکھرام کا مقدمہ محمد حسین پر خدا تعالےٰ کی حجت پوری کر گیا۔ اور ایسا ہی اس کے اور بھائیوں پر۔

پھر بعد اس کے ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ میں خدا کا نشان ظاہر ہوا۔ اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ جو اخیر حکم سے پہلے صدہا لوگوں میں پھیل چکی تھی۔ اس مقدمہ میں شیخ بٹالوی کو وہ ذلّت پیش آئی۔ کہ اگر سعادت یاوری کرتی۔ تو بلاتوقف توبہ نصوح کرتا۔ اس پر کھل گیا۔ کہ خدا نے کس کی تائید کی۔

یاد رہے۔ کہ کلارک کے مقدمہ میں محمد حسین نے عیسائیوں کے ساتھ شامل ہو کر میری تباہی کے لئے ناخنوں تک زور لگایا تھا۔ اور میرے ذلیل کرنے کیلئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ آخر میرے خدا نے مجھے بری کیا۔ اور عین کچہری میں کرسی مانگنے پر وہ ذلّت اس کو نصیب ہوئی جس سے ایک شریف آدمی مارے ندامت کے مر سکتا ہے۔ یہ ایک صادق کی ذلّت چاہنے کا نتیجہ ہے۔ کرسی کی درخواست پر اس کو

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے جھڑکیاں دیں۔ اور کہا کہ کرسی نہ کبھی تجھ کو ملی۔ اور نہ تیرے باپ کو اور جھڑک کر پیچھے ہٹایا۔ اور کہا سیدھا کھڑا ہو جا۔ اور اس پر موت پر موت یہ ہوئی۔ کہ ان جھڑکیوں کے وقت یہ عاجز صاحب ڈپٹی کمشنر کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس کی ذلت دیکھنے کے لئے وہ آیا تھا۔ اور مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ اس واقعہ کو بار بار لکھوں کچہری کے افسر موجود ہیں۔ ان کا عملہ موجود ہے۔ ان سے پوچھنے والے پوچھ لیں۔ اب سوال تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا قرآن شریف میں وعدہ ہے۔ کہ وہ مومنوں کی تائید کرتا ہے۔ اور انہیں عزت دیتا ہے۔ اور جھوٹوں اور دجالوں کو ذلیل کرتا ہے۔ پھر یہ الٹی گنگا کیوں بہنے لگی۔ کہ ہر میدان میں محمد حسین کو ہی ذلت اور رسوائی اور بے عزتی نصیب ہوتی گئی کیا خدا تعالےٰ کی اپنے پیاروں سے یہی عادت ہے۔ اب ٹیکس کے مقدمہ میں شیخ بٹالوی صاحب کی یہ خوشی تھی۔ کہ کسی طرح ٹیکس لگ جائے۔ تا اسی مضمون کو لمبا چوڑا کر کے اشاعۃ السنہ کو رونق دیں۔ تا پہلی ذلتوں کی کسی قدر پردہ پوشی ہو سکے۔ سو اس میں وہ نامراد ہی رہا۔ اور صاف طور پر معافی کا حکم آگیا۔ خدا نے اس مقدمہ کو ایسے حکام کے ہاتھ میں دیا۔ جنہوں نے سچائی اور ایمانداری سے عدالت کو پورا کرنا تھا۔ سو یہ نصیب بداندیش اس حملہ میں بھی محروم ہی رہے۔ خدا تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس نے حکام با انصاف پر اصل حقیقت کھولدی اور اس جگہ ہمیں جناب مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپورہ کا شکر کرنا چاہیئے۔ جن کے دل پر خدا تعالےٰ نے واقعی حقیقت منکشف کردی اسی وجہ سے ہم ابتداء سے انگریزی حکومت اور انگریزی حکام کے شکر گذار اور مداح اور ثنا خواں ہیں۔ کہ وہ انصاف کو بہر حال مقدم رکھتے ہیں۔ کپتان ڈگلس صاحب سابق ڈپٹی کمشنر نے ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ فوجداری میں اور مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب نے اس انکم ٹیکس کے مقدمہ میں ہمیں انگریزی عدالت اور حق پسندی کے دو ایسے نمونے دیئے ہیں۔ جن کو ہم مدت العمر میں کبھی بھول نہیں سکتے۔ کیونکہ کپتان ڈگلس صاحب کے سامنے وہ نازک مقدمہ آیا تھا۔ جس کا فریق مستغیث ایک معزز عیسائی تھا۔ اور جب

کی تائید میں گویا پنجاب کے تمام پادری تھے۔ لیکن صاحب موصوف نے اس بات کی کچھ بھی پروا نہیں کی۔ کہ یہ مقدمہ کس گروہ کی طرف سے ہے۔ اور پورے طور پر عدالت سے کام لیا۔ اور مجھے بری کیا۔ اور جو مقدمہ اب مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب کے زیر تجویز آیا۔ یہ بھی نازک تھا۔ کیونکہ ٹیکس کی معافی میں سرکار کا نقصان ہے۔ سو صاحب مؤخر الذکر نے بھی سراسر معدلت اور انصاف پسندی اور محض عدل سے کام لیا۔ میری دانست میں اس قسم کے حکام گورنمنٹ کی رعایا پروری اور نیک نیتی اور اصول انصاف کے روشن نمونے ہیں۔ اور واقعی امر یہی تھا جس امر تک مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب کا روشن خیال پہونچ گیا۔ سو ہم شکر بھی کرتے ہیں۔ اور دعا بھی اور اس جگہ دربارہ محنت اور تفتیش منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار پرگنہ بٹالہ قابل ذکر ہے جنہوں نے انصاف اور احقاق حق مقصود رکھ کر واقعات صحیحہ کو آئینہ کی طرح حکام بالادست کو دکھلا دیا۔ اور اس طرح پر ٹھیک ٹھیک اصلیت تک پہونچنے کے لئے حکام اعلیٰ کو مدد دی۔ اب وہ مقدمہ یعنی تحصیلدار صاحب کی رائے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کا اخیر حکم ذیل میں لکھا جاتا ہے ؛

نقل رپورٹ منشی تاج الدین صاحب تحصیلدار پرگنہ بٹالہ ضلع گورداسپور لمقدمہ عذرداری ٹیکس مشمولہ مسل اجلاس مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر۔

مرجوعہ ۲۰ رجون ۱۸۹۸ء فیصلہ ۱۷ ستمبر ۹۸ء نمبر بستہ از محکمہ نمبر مقدمہ ۵۵/۴۴

مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمد ولد غلام مرتضےٰ ذات مغل سکنہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔

بحضور جناب والاشان جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور

جناب عالی

مرزا غلام احمد قادیانی پر اس سال ماعلے انکم ٹیکس تشخیص ہوا تھا اس سے پیشتر مرزا غلام احمد پر کبھی ٹیکس تشخیص نہیں ہوا۔ چونکہ یہ ٹیکس بنا لگایا تھا۔ مرزا غلام احمد نے اس پر عدالت حضور میں عذرداری دائر کی۔ جو بنابر دریافت سپرد محکمہ

ہذا ہوئی۔ پیشتر اس کے کہ انکم ٹیکس کے متعلق جس قدر تحقیقات کی گئی ہے۔اس کا ذکر کیا جاوے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرزا غلام احمدؐ قادیانی کا کچھ ذکر گوش گزار حضور کیا جاوے۔ تاکہ معلوم ہو کہ عذر دار کون ہے۔اور کس حیثیت کا آدمی ہے۔ مرزا غلام احمد ایک پُرانے معزز خاندان مغل میں سے ہے۔جو موضع قادیان میں عرصہ سے سکونت پذیر ہے۔اس کا والد مرزا غلام مرتضٰے ایک معزز زمیندار تھا۔اور موضع قادیان کا رئیس تھا۔اس نے اپنی وفات پر ایک معقول جائداد چھوڑی۔ اس میں سے کچھ جائداد تو مرزا غلام احمد کے پاس اب بھی ہے۔اور کچھ مرزا سلطان احمد پسر مرزا غلام احمد کے پاس ہے۔جو اس کو مرزا غلام قادر مرحوم کی بیوی کے توسل سے ملی ہے۔یہ جائداد اکثر زرعی مثلاً باغ زمین اور تعلقہ داری چند دیہات ہے۔ اور چونکہ مرزا غلام مرتضٰے ایک معزز رئیس آدمی تھا ممکن ہے اور میری رائے میں اغلب ہے۔ کہ اس نے بہت سی نقدی اور زیورات بھی چھوڑے ہوں۔لیکن ایسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت قابل اطمینان شہادت نہیں گذری۔ مرزا غلام احمد ابتدائی ایام میں خود ملازمت کرتا رہا ہے۔اور اس کا طریق عمل ہمیشہ سے ایسا رہا ہے۔کہ اس سے امید نہیں ہوسکتی۔کہ اس نے اپنی آمدنی یا اپنے والد کی جائداد نقدی و زیورات کو تباہ کیا ہو۔جو جائداد غیر منقولہ اس کو باپ سے وراثتاً پہونچی ہے۔وہ تو اب بھی موجود ہے۔لیکن جائداد غیر منقولہ کی نسبت شہادت کافی نہیں مل سکتی۔لیکن بہر حال مرزا غلام احمد کے حالات کے لحاظ سے بہ طمانیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔کہ وہ بھی اس نے تلف نہیں کی۔کچھ مدت سے مرزا غلام احمد نے ملازمت وغیرہ کو چھوڑ کر اپنے مذہب کی طرف رجوع کیا۔اور اس امر کی ہمیشہ سے کوشش کرتا رہا۔کہ وہ ایک مذہبی سرگروہ مانا جاوے۔اس نے چند مذہبی کتابیں شائع کیں۔رسالہ جات لکھے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار بذریعہ اشتہارات کیا۔چنانچہ اس کل کارروائی کا یہ نتیجہ ہؤا۔کہ کچھ عرصہ سے ایک متعدد اشخاص کا گروہ جن کی فہرست (بحروف انگریزی) منسلک ہذا ہے۔اس کو اپنا

سرگروہ ماننے لگ گیا۔ اور بطور ایک فرقہ کے قائم ہو گیا۔ اس فرقہ میں حسب فہرست منسلکہ ہذا ۳۱۸۔ آدمی ہیں جن میں بلاشبہ بعض اشخاص جن کی تعداد نہیں معزز اور صاحب علم ہیں۔ مرزا غلام احمد کا گروہ جب کچھ بڑھ نکلا۔ تو اس نے اپنی کتب فتح الاسلام اور توضیح مرام میں اپنے اغراض کے پورا کرنے کے لئے اپنے پیروؤں سے چندہ کی درخواست کی۔ اور ان میں پانچ مدات کا ذکر کیا جن کے لئے چندہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ مرزا غلام احمد پر اس کے مریدان کا اعتقاد ہو گیا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے چندہ بھیجنا شروع کیا۔ اور اپنے خطوط میں بعض دفعہ تو تخصیص کر دی۔ کہ ان کا چندہ ان پانچ مدوں میں سے فلاں مد پر لگایا جاوے اور بعض دفعہ مرزا غلام احمد کی رائے پر چھوڑ دیا۔ کہ جس مد میں وہ ضروری خیال کریں صرف کریں۔ چنانچہ حسب بیان مرزا غلام احمد عذر دار اور پردے شہادت گواہان چندہ کے روپیہ کا حال اسی طرح ہوتا ہے۔ الغرض یہ گروہ اس وقت بطور ایک مذہبی سوسائٹی کے ہے جس کا سرگروہ مرزا غلام احمد ہے۔ اور باقی سب پیروان ہیں۔ اور چندہ باہمی سے اپنی سوسائٹی کے اغراض کو بہ سلوک پورا کرتے ہیں۔ جن پانچ مدات کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ اول مہمان خانہ۔ جس قدر لوگ مرزا غلام احمد کے پاس قادیان میں آتے ہیں۔ خواہ وہ مرید ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ مذہبی تحقیقات کے لئے آتے ہوں۔ ان کو وہاں سے کھانا ملتا ہے۔ اور حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمد اس مد کے چندہ میں سے مسافروں یتیموں اور بیواؤں کی بھی امداد کی جاتی ہے۔ دوم مطبع۔ اس میں مذہبی کتابیں اور اشتہارات چھاپے جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ لوگوں میں مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ سوم مدرسہ۔ مرزا غلام احمد کے مریدوں کی طرف سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی ابھی ابتدائی حالت ہے۔ اور اس کا اہتمام مولوی نوردین کے سپرد ہے۔ جو مرزا غلام احمد کا ایک مرید خاص ہے۔ چہارم۔ سالانہ اور دیگر جلسہ جات۔ اس گروہ کے سالانہ جلسے بھی ہوتے ہیں۔ اور ان جلسوں کے سرانجام دینے کے لئے چندہ فراہم کیا جاتا ہے

پنجم۔ خط وکتابت۔ حسب بیان تحریری مختار مرزا غلام احمد اور شہادت گواہان اس میں بہت سا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ مذہبی تحقیقات کے متعلق جس قدر خط وکتابت ہوتی ہے اس کے لئے مریدوں سے چندہ لیا جاتا ہے۔ الغرض حسب بیان گواہان ان پانچ مدّوں میں چندہ کا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اور ان ذرائع سے مرزا غلام احمد اپنے مریدوں کے اپنے اپنے خیالات کی اشاعت کرتا ہے۔ یہ سوسائٹی ایک مذہبی گروہ ہے۔ اور چونکہ حضور کو اس گروہ کی نسبت پہلے سے علم ہے۔ اس لئے اسی مختصر خاکہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور اب اصل درخواست عذرداری کے متعلق گذارش کی جاتی ہے۔

مرزا غلام احمد پر امسال ۷۲۰۰ روپیہ اس کی سالانہ آمدنی قرار دے کر مبلغ ۱۸۷ روپیہ انکم ٹیکس قرار دیا گیا۔ اس کی عذرداری پر اس کا اپنا بیان خاص موضع قادیان میں جبکہ کمترین بتقریب دورہ اس طرف گیا۔ لیا گیا۔ اور نیز ۱۲ کس گواہان کی شہادت قلمبند کی گئی۔ مرزا غلام احمد نے اپنے بیان حلفی میں لکھوایا۔ کہ اس کو تعلقہ داری زمین اور باغ کی آمدنی ہے۔ تعلقہ داری کی سالانہ تخمیناً ۲۰۰ روپیہ کی زمین کی تخمیناً تین سو روپیہ سالانہ کی اور باغ کی سالانہ تخمیناً دو سو تین سو روپیہ چار سو روپیہ اور حد درجہ پانچسو روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کو کسی قسم کی اور آمدنی نہیں ہے۔ مرزا غلام احمدؐ نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ اس کو تخمیناً پانچہزار دو سو روپیہ سالانہ مریدوں سے اس سال پہونچا ہے۔ ورنہ اوسط سالانہ آمدنی قریباً چار ہزار روپیہ کے ہوتی ہے۔ وہ پانچ مدّوں میں جن کا ذکر اوپر کیا گیا خرچ ہوتی ہے۔ اور اس کے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ اور آمدنی کا حساب باضابطہ کوئی نہیں ہے۔ صرف یادداشت سے تخمیناً لکھوایا ہے۔ مرزا غلام احمد نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ اس کی ذاتی آمدنی باغ زمین اور تعلقہ داری کی اس کے خرچ کے لئے کافی ہے۔ اور اس کو کچھ ضرورت نہیں ہے۔ کہ وہ مریدوں کا روپیہ ذاتی خرچ میں لاوے۔ شہادت گواہان بھی مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مریدان بطور خیرات پانچ مدات مذکورہ بالا کے لئے روپیہ مرزا غلام احمد کو بھیجتے ہیں۔ اور ان ہی مدات میں خرچ ہوتا ہے

مرزا غلام احمد کی اپنی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلقہ داری زمین اور باغ کے اور نہیں ہے۔ جو قابل ٹیکس ہو۔ گواہان میں سے چھ گواہ معتبر اشخاص ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کے مرید ہیں۔ اور اکثر مرزا غلام احمد کے پاس رہتے ہیں۔ دیگر سات گواہ مختلف قسم کے دوکاندار ہیں۔ جن کو مرزا صاحب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بالعموم یہ سب گواہان مرزا غلام احمد کے بیان کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس کی ذاتی آمدنی سوائے آمدنی تعلقہ داری زمین اور باغ کے اور کسی قسم کی نہیں بتلاتے۔ میں نے موقعہ پر بھی خفیہ طور سے مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی کی نسبت بعض اشخاص سے دریافت کیا۔ لیکن اگرچہ بعض اشخاص سے معلوم ہوا۔ کہ مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی بہت ہے۔ اور یہ قابلِ ٹیکس ہے۔ لیکن کہیں سے کوئی بین ثبوت مرزا صاحب کی آمدنی کا نہ مل سکا۔ زبانی تذکرات پائے گئے۔ کوئی شخص پورا پورا ثبوت نہ دے سکا۔ میں نے موضع قادیان میں مدرسہ اور مہمان خانہ کا بھی ملاحظہ کیا۔ مدرسہ ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور اکثر بعمارت خام بنا ہوا ہے۔ اور کچھ مریدوں کے لئے گھر بھی بنے ہوئے ہیں۔ لیکن مہمان خانہ میں واقعی مہمان پائے گئے اور یہ بھی دیکھا گیا۔ کہ جس قدر مرید اس روز قادیان میں موجود تھے۔ انھوں نے مہمانخانہ سے کھانا کھایا۔

کمترین کی رائے ناقص میں اگر مرزا غلام احمد کی ذاتی آمدنی صرف تعلقہ داری اور باغ کی قرار دی جائے۔ جیسا کہ شہادت سے عیاں ہوا۔ اور جس قدر آمدنی مرزا صاحب کو مریدوں سے ہوتی ہے۔ اس کو خیرات کا روپیہ قرار دیا جائے جیسا کہ گواہان نے بالعموم بیان کیا۔ تو مرزا غلام احمد پر موجودہ انکم ٹیکس بحال نہیں رہ سکتا لیکن جبکہ دوسری طرف یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد ایک معزز اور بھاری خاندان سے ہے۔ اور اس کے آباؤ اجداد رئیس رہے ہیں۔ اور ان کی آمدنی معقول رہی ہے۔ اور مرزا غلام احمد خود ملازم رہا ہے۔ اور آسودہ حال رہا ہے۔ تو ضرور گمان گذرتا ہے۔ کہ مرزا غلام احمد ایک مالدار شخص ہے۔ اور قابلِ ٹیکس ہے۔ مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اس نے اپنا باغ اپنی زوجہ کے

پاس گرو رکھکر اس سے چار ہزار کا زیور اور ایکہزار روپیہ نقد وصول پایا ہے۔ توجس شخص کی عورت اس قدر روپیہ دے سکتی ہو۔ اس کی نسبت بہ ضرور گمان گذرتا ہے۔ کہ وہ مالدار ہوگا۔ کمترین نے جس قدر تحقیقات کی ہے۔ وہ شامل مسل ہذا ہے اور بہ تعمیل حکم حضور رپورٹ ہذا ارسال خدمت حضور ہے۔

المرقوم ۱۳؍اگست ۱۸۹۸ء۔ کمترین تاج الدین تحصیلدار بٹالہ۔ مکرر آنکہ مختار وکیل مرزا غلام احمد کو حضور کی عدالت میں حاضر ہونے کیلئے ۳؍ستمبر ۱۸۹۸ء کی تاریخ دی گئی ہے۔ تحریر بتاریخ صدر دستخط حاکم۔

نقل حکم درمیانی بصیغہ عذرداری ٹیکس اجلاسی ٹی ڈیکسن صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر گورداسپور۔ مثل عذرداری انکم ٹیکس مسمی مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضےٰ ذات مغل سکنہ موضع قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ آج یہ کاغذات پیش ہوکر رپورٹ تحصیلدار صاحب سماعت ہوئی۔ فی الحال یہ مسل زیر تجویز رہے۔ شیخ علی احمد وکیل اور مختار عذردار حاضر ہیں۔ ان کو اطلاع دی گئی۔ تحریر ۳-۹-۹۸۔ دستخط حاکم۔

نقل ترجمہ حکم اخیر بصیغہ عذرداری ٹیکس اجلاسی مسٹر ٹی ڈیکسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور۔

ترجمہ حکم

یہ ٹیکس جدید تشخیص کی گئی ہے۔ اور مرزا غلام احمد کا دعوے ہے۔ کہ تمام اس کی آمدنی اس کے ذاتی کاروبار پر خرچ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس فرقہ کے اخراجات پر صرف ہوتی ہے۔ کہ جو اس نے قائم کیا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ اس کے پاس اور جائداد بھی ہے۔ لیکن اس نے تحصیلدار کے سامنے بیان کیا۔ کہ وہ آمدنی بھی کہ جو از قسم آمدنی اراضی و زراعت کی ہے۔ اور زیر دفعہ ۵ (ب) مستثنےٰ ہے۔ مذہبی اخراجات میں جاتی ہے۔ ہم اس شخص کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کے لئے کوئی وجہ معلوم نہیں کرتے۔ اور ہم اس کی آمدنی کو جو از چندہ ہائے وہ ۵۲۰۰/ روپیہ بیان کرتا ہے۔ معاف کرتے ہیں۔ کیونکہ زیر دفعہ (۵) (E) محض مذہبی اغراض کے لئے وہ صرف کی جاتی ہے۔

لہذا حکم ہوُا۔ کہ

بعد تعمیل ضابطہ کاغذات ہذا داخل دفتر کئے جاویں تحریر ۱۷ مقام ڈلہوزی

دستخط حاکم

نقل اجیر حکم انگریزی کا ترجمہ

بعدالت ٹی ڈیکسن صاحب بہادر کلکٹر ضلع گورداسپور مقدمہ نمبر ۴۷ بابت ۹۸ء

عذر داری انکم ٹیکس۔ مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضےٰ قوم مغل ساکن موضع قادیان

مغلاں تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور۔ عذر دار ٭

حکم

یہ ٹیکس ابکے ہی لگایا گیا ہے۔ اور مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ تمام آمدنی میری جماعت کے لئے خرچ ہوتی ہے۔ میرے ذاتی خرچ میں نہیں آتی۔ وہ اس بات کو بھی قبول کرتے ہیں۔ کہ میری اور بھی جائداد ہے۔ لیکن تحصیلدار صاحب کے سامنے انھوں نے بیان کیا ہے۔ کہ اس میری جائداد کی آمدنی بھی جو از قسم زمین ہے اور پیداوار زراعت ہے۔ اور زیر دفعہ ۵ (ب) انکم ٹیکس سے بری ہے۔ دینی مصارف میں کام آتی ہے۔ اس شخص کے اظہار نیک نیتی میں مجھے شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جس کی جماعت کو ہر ایک جانتا ہے۔ میں ان کی چندوں کی آمدنی کو جس کی تعداد ۵۲۰۰ روپیہ بیان کرتے ہیں۔ اور جو محض دینی کاموں میں خرچ ہوتی ہے۔ زیر دفعہ ۵ (ای) انکم ٹیکس سے بری کرتا ہوں

دستخط ٹی ڈیکسن صاحب بہادر کلکٹر ۱۷ ستمبر ۱۸۹۸ء